باب دہم:

# صنم تراش

اس نے خواب میں دیکھا....

ایک ہال میں قطاروں کی صورت آفس کیبن بنے ہیں..

کی بورڈز کے کھڑکنے کی آوازیں...فون کی گھنٹیوں کا شور...

ہر طرف لوگ فائلوں اور لیپ ٹاپس میں سر دیے بیٹھے ہیں۔

تالیہ ہال کے سرے پہ کھڑی ہے...اس نے سفید منی کوٹ پہن رکھا ہے اور سنہری بالوں کے ہالے میں دمکتے چہرے پہ غصہ نمایاں ہے۔

وہ سیدھ میں دیکھ رہی ہے... ہال کے آخری سرے کی طرف جہاں کیبن ختم ہوتے ہیں۔

آخری کیبن میں ایک لڑکی سر جھکائے کام کرتی نظر آ رہی ہے۔

اس لڑکی کو نگاہوں میں رکھے تالیہ قدم قدم چلنے لگتی ہے۔

فائلیں اٹھائے آگے پیچھے جاتے لوگ ہٹ ہٹ کے اس کو راستہ دے رہے ہیں۔

وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیز تیز چلتی' اس لڑکی کے سر پہ آ رکتی ہے۔

کیبن کی دیوار چھوٹی ہے۔اندر بیٹھی لڑکی چونک کے اسے دیکھتی ہے۔

وہ جیب سے ایک لفافہ نکالتی ہے اور اسے بے نیازی سے لڑکی کی طرف ڈال دیتی ہے۔لفافہ میز سے پھسلتا ہوا نیچے جا گرتا ہے۔

''میں تمہیں نوکری سے فارغ کرتی ہوں۔ایک باکس میں اپنا سامان ڈالو اور رخصت ہو جاؤ۔اور یہ... یہ تمہارا ٹرمینیشن لیٹر ہے!''

وہ جس انگلی سے لفافے کی طرف اشارہ کرتی ہے' اس میں آنسو شکل کی سرخ یاقوت جڑی انگوٹھی دمکتی دکھائی دے رہی ہے....

☆......☆......☆

''مجھے بتاؤ تالیہ...تم کس کو لائی ہو اپنی دنیا سے؟'' مراد راجہ اس کو دونوں کہنیوں سے تھامے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ کے چہرے پہ سایہ سا آیا مگر پھر گزر گیا۔لمحے بھر کو بھی نہیں ٹھہرا۔

''تو یہ رائے ہے آپ کی میری بارے میں؟'' وہ جبراً مسکرائی۔''اتنی کمزور ہے تالیہ کہ وقت کا دروازہ اکیلے پار کرنے سے ڈرتی ہے؟'' استہزائیہ سا انداز تھا اس کا۔

مراد نے جھٹکے سے اس کی کہنیاں چھوڑیں اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''میرے ساتھ کھیل نہ کھیلو لڑکی۔جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔''

''کوئی نہیں آیا میرے ساتھ' بابا۔میں اکیلی ہوں..مگر مجھے اکیلا دیکھ کے ادھورا مت سمجھئے گا۔ میرے زمانے کی لڑکیوں کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔میں آپ کے سارے محل کو اکیلی ہی کافی ہوں۔اور آخری بات....'' شانوں سے لباس جھٹک کے درست کیا' گویا مراد کے سخت لمس کو تحقیر سے جھٹکا ہو۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں سب کچھ بھول چکی ہوں؟ ہوسکتا ہے میں آپ کی سوچ سے زیادہ ماضی سے واقف ہوں۔اور شاید مستقبل سے بھی!''ایک نگاہ غلط باپ پہ ڈال کے اس نے ادب سے سر جھکایا۔''بابا!'' کہہ کے الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

راجہ مراد کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔کمرہ اب خالی رہ گیا تھا۔چند ثانیے بیتے اور دستک ہوئی۔پھر ایک ادھیڑ عمر مرد اندر داخل ہوا۔یہ راجہ کا خاص خادم تھا جس کو اس روز وہ نئی کشتی بنانے کا حکم دے رہا تھا۔

''عارف۔'' مراد نے اسے سوچتی نگاہوں سے دیکھا۔''میں درست تھا۔وہ کسی کو ساتھ لے کر آئی ہے۔''

''مگر راجہ....'' عارف کو اچنبھا ہوا۔''کیا انہوں نے خود اقرار کیا ہے؟''

''اس نے مجھے بابا کہہ کے پکارا۔وہ عرصہ ہوا مجھے راجہ کہتی ہے۔بابا کہنے کا مطلب ہے وہ دیانت داری سے کام نہیں لے رہی۔'' پھر وہ میز کی طرف آیا اور دراز سے ایک کاغذ نکال کے عارف کی طرف بڑھایا۔

عارف نے کاغذ تھاما اور تہہ کھولی۔سیاہ روشنائی سے بنا خاکہ دیکھ کے وہ چونکا۔

''یہ تو وقت کی مہر ہے۔''

''تم میرے واحد پمبورو (شکار باز) ساتھی ہو جس کو میں بچا کے محل تک لایا ہوں۔تم وقت کی مہر سے واقف ہو۔مگر تمہارے سپاہی نہیں جانتے ہوں گے۔تم یہ خاکہ ان کو دو اور کہو' کہ وہ سارے ملاکہ میں بکھر جائیں اور جس مرد کی گردن کی پشت پہ یہ نشان دیکھیں' اس کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آئیں۔''

''اس کے ساتھ آنے والی کوئی عورت بھی ہوسکتی ہے۔اگر وہ اوڑھنی سے سر ڈھکے رہے تو ہم اس کو کیسے ڈھونڈیں گے' راجہ؟''

مراد نے ٹھنڈی سانس بھری۔''میں نے اپنی بیٹی سے ابھی تفتیش کیوں کی' عارف؟ اس لئے تاکہ وہ کوئی غلطی کر دے اور اس نے کر دی۔اس نے کہا کہ اسے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی واپس آنے کے لئے۔اس نے ''انسان'' نہیں کہا۔اس لئے جاؤ اور

ایسا مرد ڈھونڈو جس کی گردن پہ یہ مہر ہو۔"

عارف کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ سمجھ گیا۔

"جو حکم راجہ!" پھر اسے خیال آیا۔"اور.... وہ کشتی.... وہ اگلے ہفتے تک تیار ہو جائے گی۔ پھر میں اس مہینے کا بقایا سونا جزیرے پہ پہنچا دوں گا۔"

"ہاں' یہ کام جلدی کرنا۔ مال زیادہ ہے اور یہاں محفوظ نہیں ہے۔ مگر احتیاط سے۔ تمہاری کمی کسی کو محسوس نہیں ہونی چاہیے۔"

"جو حکم' راجہ۔" وہ چلا گیا تو راجہ واپس کرسی کھینچ کے بیٹھا اور لکڑی کی ننھی کشتی اٹھا لی۔ اب اسے اس کشتی کا بادبان بنانا تھا۔ اس نے سفید کپڑا اٹھایا اور قینچی سے اسے کترنے لگا۔ جھکے چہرے پہ چھائی سختی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کے سامنے بنی بالکونی میں تالیہ بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی اور سامنے مسہری پہ بیٹھے ایڈم کی نظریں اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اسے گمان گزرا کہ وہ مرسل شاہ کے رشتے کی وجہ سے پریشان ہے۔

"نہیں' نہیں۔ اور جائیں آپ سلطان مرسل کے پاس اتنی بن سنور کے۔ اور کریں آپ ان کو متاثر کرنے کی کوشش۔ یہ تو ہونا تھا۔"

وہ رکی اور اسے گھور کے دیکھا۔"میں اس وقت مراد راجہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔ ان کو شک پڑ گیا ہے کہ میں اپنی دنیا سے کسی کو ساتھ لائی ہوں۔"

"اوہ!" ایڈم کے لب سکڑے۔"مگر ان کو کیسے علم ہوا؟"

"کیونکہ پہلی دفعہ چابی سے دروازہ کھولنے پہ جب چابی ٹوٹتی ہے تو یادداشت چلی جاتی ہے۔ اسی چابی سے دوبارہ دروازہ کھولنے پہ چابی تحلیل ہوتی ہے' اور چکر مکمل ہو جاتا ہے تو یادداشت واپس آ جاتی ہے۔ لیکن راجہ نے بھانپ لیا ہے کہ میری یادداشت واپس نہیں آئی۔ کیونکہ ہم نے چابی کے چکر کو خراب کر دیا ہے.... پہلے دفعہ دروازہ میں نے کھولا تھا' میری یادداشت چلی گئی۔ دوسری دفعہ وان فاتح نے کھولا' اسلیے میری یادداشت واپس نہیں آسکی۔"

"تو وان فاتح کی یادداشت کیوں نہیں گئی؟"

"کیونکہ یادداشت پہلے چکر پہ جاتی ہے' جب چابی ٹوٹتی ہے۔"

"بڑا ہی کوئی سائنسدان باپ ہے آپ کا۔"

تالیہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔"اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر تم چابی وان فاتح کے پاس نہ لے کر جاتے اور وہ اس کو نہ جوڑتے' تو میں خود دروازہ کھولتی اور راجہ کو ہرگز شک نہ ہوتا۔"

”ہاں بس گھوم پھر کے میرے اوپر آجایا کریں۔“ وہ خفا ہوا۔ پھر دیکھا کہ وہ دوبارہ بے چینی سے ٹہلنے لگی ہے تو گہری سانس لی اور تسلی دینے والے انداز میں بولا۔ ”اچھا اتنی پریشان نہ ہوں۔ راجہ کو کیا معلوم کہ کون آیا ہے وہاں سے۔ میں تو ایک مورخ ہوں جس کو آپ نے گرفتار کر کے ماشاء اللہ اتنے ظلم ڈھائے ہیں کہ میرے اوپر شک....“

”تمہاری فکر کون کر رہا ہے‘ ایڈم؟ مجھے وان فاتح کی فکر ہے۔“

ایڈم نے خفگی سے ابرو کٹھے کیے۔ ”یعنی میرے اندر واقعی سیل ڈلتے ہیں؟“

”نہیں‘ ڈفر‘ کیونکہ تمہاری گردن پہ وقت کی مہر نہیں ہے۔ وان فاتح کی گردن پہ ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی مشکوک نہیں ہوگا۔“

”ہیں؟“ ایڈم نے بے اختیار اپنی گردن کو چھوا۔ ”میری گردن پہ کیوں نہیں ہے مہر؟ میں نے بھی تو وقت کا دروازہ پار کیا تھا۔“

”کیونکہ مہر صرف چابی سے دروازہ کھولنے والے کی گردن پہ ہوتی ہے۔ یہ چابی ایک شخص کے لئے بنائی گئی تھی۔ شکار بازوں کو کیا معلوم تھا کہ ہم تین لوگ اس سے چوکھٹ پار کر لیں گے۔“

(یعنی میں بس سپلی میں ساتھ آ گیا ہوں۔ ہونہہ۔) منہ میں بڑبڑایا۔ مگر تالیہ نے نہیں سنا۔ وہ تھک کے جیسے سامنے والی مسہری پہ آ کے بیٹھی اور چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ سنہری بال چہرے کے دائیں بائیں گرتے چلے گئے۔

”پہلے مسئلے کم تھے کیا جو اب یہ نیا مسئلہ آ گیا ہے۔“ وہ سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔

”آپ کا مطلب ہے‘ آپ کی سلطان کو متاثر کرنے کی کوشش سے جنم لینے والا مسئلہ۔“ اس کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔ تالیہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور برہمی سے اسے گھورا۔

”بننا سنورنا شہزادیوں کی مجبوری ہوتی ہے۔ اور میں سلطان کے پاس ’کام‘ کے لئے جاتی تھی۔ وہ باس ہیں اور میں ان کی ایڈوائزر۔ ایسے میں ان کی طرف سے ذاتی ایڈوانسز ”ہراس منٹ“ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اگر میں ملائیشیاء میں ہوتی تو ان کو sue کر دیتی۔“

ایڈم جواب میں ہنس پڑا۔ ”آپ اس وقت وہ این جی اوز والی Feminist آنٹی لگ رہی ہیں‘ چے تالیہ۔“

مگر وہ جواب میں نہیں ہنسی۔ سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی‘ تو ایڈم کو چہرے پہ سنجیدگی لانی پڑی۔

”یعنی تم بھی عام مردوں کی طرح ہو؟ Victim-Shaming کرنے والے؟ (مظلوم کو الزام دینے والے)؟ سنو ایڈم... اپنا رویہ تبدیل کرو۔ اگر آفس میں عورت ہراس ہوتی ہے تو یہ مت کہا کرو کہ وہ باس کے ساتھ بات کیوں کر رہی تھی۔ سڑک پہ ہراس ہوتی ہے تو یہ مت کہا کرو کہ وہ باہر کیوں نکلی۔ قتل ہونے والے Victim کے بارے میں تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ قاتل کے پاس گیا ہی کیوں کہ قتل ہو گیا؟ مگر ہراس منٹ کا شکار ہونے والی عورت کے بارے میں ہمیشہ تم لوگ پہلے وکٹم کو الزام دیتے ہو۔“

''سلطان مرسل کا غصہ مجھ پہ کیوں نکال رہی ہیں آپ؟''

''مجھے سلطان پہ غصہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے ''باس'' پہ غصہ ہے۔ ایک باس ہو کے انہیں اپنی ایمپلائی کو یوں ہراس نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پھر اس کی شکل دیکھ کے وہ ذرا حیران ہوئی۔ ''مگر نہیں... تم جانتے ہی نہیں ہو کہ ہراس منٹ کیا ہوتی ہے۔''

''آ آ.....'' ایڈم نے ادھر ادھر دیکھا' پھر سر کھجایا۔ ''مجھے معلوم ہے۔ کسی کو تنگ کرنا' دست درازی وغیرہ وغیرہ۔ مگر خیر اب اتنا کوئی ظلم بھی نہیں ہوا آپ کے ساتھ' چے تالیہ۔ ایک رشتہ ہی تو بھیجا ہے آقا نے۔''

''آقا نے یہ رشتہ ''دربار'' میں بھیجا ہے۔ دربار ایک ''آفس'' ہے اور میں آقا کی ایڈوائزر رہوں۔ وہ ہماری ورک پلیس تھی' ایڈم۔ ورک پلیس پہ کام سے ہٹ کے ذاتی تعلق کا صرف اشارہ دینا بھی ہراس منٹ شمار ہوتا ہے اور اس نے تو اتنی بڑی بات کہہ دی۔''

''اگر آپ کا باس سلطان مرسل جیسا نکما آدمی نہ ہوتا تو آپ تب بھی برا مانتیں؟''

''ماننا چاہیے کیونکہ کام کی جگہ پہ تعلقات قائم کرنے والے لوگ ہر مہذب معاشرے میں برے سمجھے جاتے ہیں۔ اب تم ٹھہرے بھگوڑے فوجی' تم کہاں گھومے پھرے ہو گے مغربی ممالک میں... اس لیے تمہارے علم میں اضافہ کرتی چلوں (ایڈم نے دانت کچکچائے) یہ مغربی ممالک جن کو تم لوگ برائی کا گڑھ سمجھتے ہونا' وہاں بھی کام کی جگہ پہ تعلقات قائم کرنا بہت برا سمجھا جاتا ہے اور ہراس منٹ کے قوانین وہاں بہت سخت ہوتے ہیں۔''

''میرے جاب لیس ہونے پہ چوٹ کرنے کا شکریہ۔ ذرا میرے علم میں مزید اضافہ کریں۔ گوروں کو اس سب سے کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کون سا اللہ کو منہ دکھانا ہوتا ہے؟''

''کیونکہ ایسے تعلقات کبھی بھی برابری کی بنیاد پہ نہیں ہوتے۔ ان سے کام متاثر ہوتا ہے۔ باس سیکرٹری سے' ٹیچر اسٹوڈنٹ سے' ڈاکٹر مریض سے' فلم ڈائریکٹر کسی اداکارہ سے افیئر چلانا تو درکنار اسے اگر غلط ٹیکسٹ بھی بھیجتا ہے تو یہ جرم ہے۔ پوچھو کیوں؟''

''جیسے میں پوچھوں گا نہیں تو آپ بتائیں گی بھی نہیں۔''

''وہ اس لئے' عقل مند' کیونکہ ایسے تعلقات میں ایک فریق کمزور ہوتا ہے اور دوسرے پہ انحصار کرتا ہے' اپنی جاب یا گریڈز کے لئے... جیسے سیکرٹری یا اسٹوڈنٹ... اس کا پلڑہ نیچے ہوتا ہے۔'' (ہاتھ سے نیچے کا اشارہ کیا) ''اور دوسرا فریق 'پوزیشن آف پاور' پہ ہوتا ہے۔ جیسے استاد یا باس۔ (اوپر ہاتھ کر کے اشارہ کیا) اس لئے یہ تعلق Predatory تعلق بن جاتا ہے۔ طاقتور کمزور کو ناجائز باتوں کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اسی لئے مغربی ممالک میں بھی ایسے تعلقات برے سمجھے جاتے ہیں۔ میں نے اتنے روپ دھار کے اتنی نوکریاں کی ہیں ایڈم کہ تمہاری سوچ ہے' مگر ہر جگہ میں نے یہی دیکھا ہے کہ لڑکیاں نوکری کرنے تو آ جاتی ہیں مگر ان کو کوئی یہ نہیں سمجھاتا کہ انہیں باس کی بات کا جواب مسکرا کے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن خیر... یہ نوکری کرنے والی بات تم کہاں سمجھ سکتے ہو۔''

''بالکل۔ میں کہاں سمجھ سکتا ہوں۔ میں ٹھہرا بھگوڑا فوجی۔ خیر آپ سلطان مرسل کو sue کرنے کے منصوبے بنائیں۔ میں چلتا ہوں۔اور یہ بنگارا ملایو کا اگلا باب لایا تھا' اسے پڑھ کے کل دربار میں بھجوادیجئے گا' مجھے یہ پڑھ کے سنانا ہوگا۔'' وہ گلابی غلاف میں لپٹے کاغذوں کو میز پہ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔''اور ہاں...'' ماتھے کو چھوا۔''وان فاتح نے کہا تھا کہ آپ....سلطان مرسل سے....دور رہیں!''

وہ بالکل تھم سی گئی۔''انہوں نے...یہ کہا؟''

''جی چے تالیہ۔ انہوں نے یہ کہا اور میں یہ کہتا ہوں کہ ایک دوسری دنیا میں....وہ آپ کے ساتھ برابری کی سطح پہ موجود نہیں ہیں۔'' آخری فقرہ نظریں جھکا کے ادا کیا اور باہر نکل گیا۔

وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔اس کی بات سنی ہی نہیں۔(فاتح نے ایسا کیوں کہا؟ کیا ان کو میری پرواہ ہے؟)

ایڈم باہر نکلا تو باہر دربان کے ہمراہ شریفہ کھڑی تھی۔ وہ آگے بڑھنے لگا جب وہ لپک کے اس کے پیچھے آئی۔

''سنو.....آدم!'' کمر پر ہاتھ باندھے وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔

''سناؤ' شریفہ بنتِ آدم!''

وہ ٹھٹکی۔''میرے بابا کا نام تو جابر ہے۔''

''یقیناً کوئی جابر ہی ہوگا جو تمہارا باپ ہوگا۔ میں تو آدم علیہ السلام کی بات کر رہا تھا جو ہم سب کے بابا ہیں۔'' پھر وہ ٹھہرا۔''تمہارا نام شریفہ بنت جابر ہے؟ تمہارا نام سنا سنا کیوں لگتا ہے مجھے؟'' غور کیا مگر یاد نہ آیا۔ شاید اس نام کی کوئی کلاس فیلو تھی اس کی کوئی۔ خیر۔ آگے بڑھ گیا۔ شریفہ نے تنک کے تیز رفتار کر کے اس سے ملنے کی کوشش کی۔

''اوہو۔ بات تو سنو۔''

''میں کانوں سے سنتا ہوں اور الحمدللہ میرے دونوں کان کھلے' روشن اور ہوادار ہیں۔''

''تمہاری کتاب کا پہلا باب سنا تھا میں نے اس دن دربار میں۔ شہزادی کی بہت تعریفیں لکھی تھیں تم نے۔''

''تم نہیں سمجھو گی' بی بی!'' اس نے چلتے چلتے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔

''میں سمجھتی ہوں سب اچھی طرح اسی لئے تمہیں نصیحت کرنے رک گئی۔''

ایڈم کے قدم رکے۔ اس نے ٹھٹھک کے گردن موڑی۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔''کیا مطلب؟''

شریفہ نے آنکھیں گھمائیں۔''ایسی تعریف مورخ بن کے لکھی تھی اسی لئے سلطان نے تمہیں انعام واکرام سے نوازا' مگر ایسی تعریف 'آدم' بن کے مت لکھنا۔ محل سے باہر پھینک دیے جاؤ گے۔''

وہ بالکل سن ہو گیا۔ دم سادھے۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

وہ قریب آئی اور دھیرے سے بولی۔ ”محبت بھرے نامے لکھنے کا تجربہ مجھے بھی ہے‘ آدم۔ مگر تم شہزادی کے برابر کے نہیں ہو۔ تم ایک مورخ ہو‘ ایک غلام‘ ایک قیدی۔ اور وہ شہزادی ہے۔ شہزادیاں محبت کے معاملے میں اپنے سے اوپر دیکھتی ہیں‘ نیچے نہیں۔ تمہارے لکھے الفاظ....وہ صرف خوشامد کے نہیں تھے۔ وہ دل سے لکھے گئے تھے۔ اتنا دل سے نہ لکھا کرو۔ ورنہ مار دیے جاؤ گے۔“ وہ ہمدردی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئی تو وہ ہلکا سا ہنسا۔

”جن لوگوں کے پاس کرنے کے لئے بڑے بڑے کام ہوتے ہیں‘ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں الجھتے۔ جاؤ شریفہ خاتون‘ جا کر محل کے جالے صاف کرواو اور اپنے دماغ کے بھی۔“ پھر ہنستے ہوئے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ پیر پٹخ کے ہونہہ کر کے رہ گئی۔

☆......☆......☆

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔

گویا کرنٹ کھا کے وہ سیدھی اٹھ بیٹھی۔

کمرہ اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور مدھم چاندنی اندر جھانک رہی تھی۔ تالیہ نے کسی قسم کی روشنی نہیں جلائی۔ بس دم سادھے بیٹھی رہی۔

اس کا خواب خوفناک ہرگز نہ تھا۔ اس نے ایک آفس دیکھا تھا جس میں وہ آگے چلتی جاتی ہے اور ایک لڑکی کا ٹرمینیشن لیٹر اس کے منہ پہ مار کے آتی ہے۔ عام سا خواب تھا وہ....مگر....وہ نئے زمانے کا خواب تھا۔ آفس‘ کمپیوٹرز‘ اکیسویں صدی کا ملائیشیاء...

وہ دنگ بیٹھی تھی۔

پہلے اسے لگا کہ ایڈم سے آج آفس جاب کے بارے میں بات کرنے کا اثر تھا کہ ذہن نے اسے ماضی میں کی گئی کوئی آفس جاب خواب کی صورت دکھا دی ہے۔ مگر نہیں۔

خواب میں اس کے سنہری بال....اور.....ہاتھ کی سرخ انگوٹھی....وہ سب بتا رہا تھا کہ یہ منظر مستقبل کا تھا۔ یہ ابھی ’واقع‘ ہونا تھا۔

اس کا مطلب تھا....وہ واپس جائے گی۔ وہ ایک دفعہ اپنی اصل دنیا میں واپس ضرور جائے گی۔

وہ دل پہ ہاتھ رکھے بے یقین سی بیٹھی تھی۔ دنگ‘ متحیر۔ پھر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ دل خوشی سے بھرنے لگا۔

وہ واپس جائے گی۔ اسے وقت کی قید سے نجات مل جائے گی۔ بالآخر!

وہ اٹھی اور بال جوڑے میں لپیٹے۔ پھر دیا سلائی رگڑی تو شعلہ چمکا۔ اس نے چراغ روشن کیا اور پھر...ریشمی رومال میں لپٹا دستہ اٹھا لیا۔

اندر خوبصورت لکھائی میں تحریر کردہ کاغذ سلیقے سے رکھے تھے۔ تالیہ نے آنکھیں رگڑیں‘ اور زرد روشنی میں انہیں پڑھنا شروع کیا۔

(دیکھوں تو سہی میرے بارے میں کیا کیا لکھا ہے اس نقلی فوجی نے۔ خدا کی قسم ایک بھی غلط لفظ ہوا تو....) مگر سوچیں منتشر ہو گئیں۔ پھر جیسے جیسے پڑھتی گئی' لب مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔

"قصے ہم تم کو کیا سنائیں
بنداہارا کی بیٹی کی رحم دلی کے
اِک دن جو سوار ہوا مورخ شاہی بگھی میں
اور شہزادی کے قافلے کے ساتھ جا اترا املاکہ کے بازار میں...
تو دیکھتا ہے کہ وہ سادہ لباس میں' چغہ پہنے' چہرہ ڈھکے
پھر رہی ہے عام لوگوں کی طرح...
اِک اِک کا حال پوچھتی....
غریبوں کے دروازوں پہ نشان لگاتی....
تاکہ شاہی سپاہی رات کو رکھ جائیں وہاں اشرفیوں کی تھیلیاں....
اور ایسے میں بنداہارا کی بیٹی کا چہرہ دیکھو تو وہ...
معصوم خوشی سے دمک رہا ہوتا تھا....اور...."

وہ پڑھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اس کی سخاوت کے ایک ڈیڑھ واقعے کو ایڈم نے بڑھا چڑھا دیا تھا۔ خیر سچ ہی تھا وہ۔
مسکرا کے اس نے ورق پلٹا۔
اگلے صفحے پہ لکھے الفاظ پڑھ کے اس کی مسکراہٹ ایک دم سے غائب ہوئی۔

☆......☆......☆

سن باؤ کی سرخ حویلی پہ فجر قضا ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ زمانہ جدید میں اس گھر کے باہر بازار تھا اور آس پاس مکانات۔ مگر اس قدیم دور میں اس کے سامنے سبزہ زار تھا اور طویل قطار میں درخت لگے تھے جن کے ساتھ چند گھوڑے بندھے تھے۔
فاتح صبح صبح گھوڑوں کے ساتھ مصروف کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ سرمئی کرتے پاجامے میں ملبوس' بال استرے سے تازہ چھوٹے کر رکھے تھے اور چہرے پہ سنجیدگی طاری کیے وہ جھک کے ایک گھوڑے کی لگام کھول رہا تھا۔
"مارننگ واک پہ جا رہے ہیں کیا؟" آواز پہ لگام کھولتے اس کے ہاتھ تھمے۔ جھکے جھکے چہرہ موڑا تو دیکھا...سامنے ہشاش بشاش سا ایڈم کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم؟" فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ لگام کھول کے سیدھا ہوا اور بازو سے سبزہ زار کی طرف اشارہ کیا' گویا اسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا ہوں۔

"محل سے وقت بے وقت نکلنا آسان ہوتا ہے تمہارے لئے؟"

وہ دونوں اب درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے۔ گھوڑے کی لگام فاتح نے تھام رکھی تھی۔ وہ وانگ لی کا محبوب گھوڑا تھا اور روز صبح اس کو چرانے لے کر جانا غلام کے فرائض میں شامل تھا۔

"شہزادی نے مجھے مورخ مقرر کیا ہے' جناب!" مورخ نے فرضی کالر جھاڑے۔ چھوٹے کرتے کے اوپر بنا آستین کے جیکٹ سی پہنے' نیچے پاجامہ' اور سر پہ ٹوپی جمائے 'وہ واقعی کوئی شاہی عہدیدار لگتا تھا۔' اور مورخ کے اوپر کوئی روک ٹوک نہیں کرسکتا۔"

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ مورخ رائٹر ہوتا ہے اور رائٹرز سے سب کو ڈرنا چاہیے۔ ان کو آپ اچھے لگیں گے تو آپ کا ذکر اپنی تحریر میں ایک بار کریں گے۔ برے لگیں گے تو بار بار کریں گے۔"

فاتح ہنس دیا۔ "تم لکھنا انجوائے کر رہے ہو؟"

"بہت زیادہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے اندر اللہ نے لکھنے کے لئے اتنی تڑپ رکھی ہے۔ مجھے لکھ کے سکون ملتا ہے۔ جیسے میں خود اپنا کتھارسس کر رہا ہوں۔" وہ گھاس پہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔

"کس وقت لکھتے ہو؟"

"جس وقت سارے بڑے رائٹرز لکھتے ہیں۔"

"اور وہ وقت کب ہوتا ہے؟"

"جب موڈ اچھا ہو۔" اس نے ہنس کے شانے اچکا دیے۔

وہ دونوں اب درختوں کے پار سبزہ زار پہ نکل آئے تھے۔ فاتح نے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تو وہ سر جھکائے گھاس میں منہ مارتا آگے بڑھتا گیا۔

"اپنی شہزادی کو میرا پیغام دیا تھا؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا تو ایڈم نے گہری سانس لی۔

"بےفکر رہیں۔ وہ آقا سے دور ہی رہیں گی۔ وہ خود بھی اس بات سے خوش نہیں ہیں۔"

"اس لئے اس کو چاہیے کہ جلد از جلد وہ چابی تلاش کرے تاکہ ہم واپس جاسکیں۔" وہ اس بات سے بہت ناخوش لگتا تھا۔

"راجہ مراد کو شک پڑ گیا ہے کہ کوئی چے تالیہ کے ساتھ آیا تھا۔ وہ آپ کی گردن کے نشان کی مدد سے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش

کریں گے۔ چے تالیہ نے یہ غازہ بھیجا ہے(اس نے ایک پوٹلی سی لباس سے نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔) آپ روز یہ تھوڑا سا غازہ (پاؤڈر) پانی میں گھول کے اس نشان پہ لیپ لیا کریں۔ وہ چھپ جائے گا۔''

''ہوں۔'' اس نے پوٹلی الٹ پلٹ کر کے دیکھی اور جیب میں رکھ لی۔ پھر گردن موڑ کے گھوڑے کو دیکھنے لگا جو گھاس میں سر دیے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ گھوڑے پہ نظریں جمائے فاتح نے دوبارہ بات کا آغاز کیا۔ ''آج وانگ لی کے ساتھ مجھے سلطنت محل جانا ہے۔''

''معلوم ہے۔ وانگ لی نے آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں ڈالا ہے۔ درباری کارروائی کے بعد آج بنگارایا ملایو کا نیا باب بھی پڑھ کے سنایا جائے گا۔ اس میں آپ کا ذکر بھی ہے۔''

''مگر جو بنگارایا ملایو میں نے پڑھی تھی اس میں میرا ذکر نہیں تھا۔''

''کیونکہ آنے والی صدی میں پرتگالی جب ملاکہ پہ حملہ کریں گے تو محلات اور کتب خانے جلا ڈالیں گے۔ یقیناً انہوں نے ہی اس کتاب کو جلا ڈالا ہو گا اور بعد میں یہ لوگوں کی یادداشتوں سے دوبارہ لکھی گئی ہو گی اس لیے غلطی سے آپ کی جگہ وانگ لی کا نام لکھا گیا ہو گا۔''

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس اس کے ساتھ گھاس پہ چلنے لگا۔

''اور تم ٹھیک ہو' ایڈم؟ گزارا کیسا ہو رہا ہے تمہارا محل میں؟''

ایڈم کے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''سر.... اگر میں کسی انسان سے اس حد تک متاثر ہونے لگوں کہ مجھے اس کی ہر بات اچھی لگے اور اس کا رعب ہر وقت میرے اوپر چھانے لگے... اور مجھے مسلسل اس کی توجہ حاصل کرنے کی خواہش ہونے لگے... تو آپ کے خیال میں' میں کس جذبے کا شکار ہوں گا؟''

''low self esteem کا!''

وہ جو ''محبت'' کی طرح کے کسی جواب کی توقع کر رہا تھا' ایک دم بھونچکا رہ گیا۔

''جی؟''

''میری کلاس میں ایک لڑکی پڑھتی تھی۔ یہ تب کی بات ہے جب میں اسکول میں تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد محبت کرنے والا سمجھتی تھی۔ کوئی نیا ٹیچر ہو یا نیا کلاس فیلو' لڑکی ہو یا لڑکا' وہ اس سے فوراً دوستی کی خواہش کرنے لگ جاتی اور پھر اس نئے شخص کی توجہ پانے اور اسے خوش کرنے کے لیے ہر حد تک چلی جاتی تھی۔ آخر میں لوگ اس سے بے زار آ کے اسے چھوڑ جاتے تھے اور وہ کراہتی رہتی تھی کہ لوگوں نے اس کے محبت کرنے والے دل کے ساتھ کیا برا سلوک کیا۔ مگر وہ لڑکی محبت سے مغلوب نہیں تھی۔ وہ صرف 'لو سیلف اسٹیم' کا شکار تھی۔''

''کیا مطلب' سر؟''

''تمہارا اور تالیہ کا ایک ہی مسئلہ ہے۔'' وہ افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے آگے چلتا گیا اور گھوڑے کے قریب جا رکا۔ ''تم دونوں

Low self esteem کا شکار ہو۔" گھوڑے کی لگام کھینچ کے اس کا منہ گھاس سے نکالا اور اسے زبردستی آگے لے جانے لگا۔

"اور یہ self esteem ہوتی کیا ہے؟ ہر کوئی اس کا ذکر بہت کرتا ہے... آج تک میں اس کا اصل معنی نہیں جان سکا۔" ایڈم خفا خفا سا لگتا تھا۔

"سیلف اسٹیم.... اپنی نظر میں اپنی عزت کو کہتے ہیں۔ خود کو کچھ سمجھنا۔ اپنی عزت کرنا۔ اپنی قدر کرنا۔ اپنے آپ کو پہچاننا۔ ذاتی وقار۔ جن لوگوں میں یہ زیادہ ہوتی ہے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادھورے نہیں ہیں۔ ان کو "اچھا" لگنے کے لیے کسی دوسرے انسان یا چیز کو خود سے جوڑ لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ میں کافی ہیں۔"

گھوڑے کو وہ کھینچ کے زبردستی درختوں کی طرف لے جانے لگا۔ گھوڑا مزاحمت کرتے ہوئے گردن ادھر ادھر مار رہا تھا۔

"اور مجھ میں اس کی کمی ہے؟"

"بالکل ہے۔ اور تالیہ میں بھی ہے۔ اور جو لوگ اپنی نظروں میں معزز نہیں ہوتے' وہ دراصل خود سے مطمئن نہیں ہوتے۔ انہیں لگتا ہے کہ لوگ ان کے 'اصل' کو قبول نہیں کریں گے۔ ایسے میں یا وہ تالیہ کی طرح بن جاتے ہیں...وہ مختلف روپ دھار کے لوگوں سے 'وہ' بن کے ملتے ہیں جو وہ ہوتے نہیں ہیں۔ بات بات پہ جھوٹ بولنا۔ کہانیاں گھڑنا۔ جانتے ہو وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ کیونکہ اس کو اپنے اصل 'سیلف' پہ اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو ویسا بنا لیتی ہے جیسا روپ لوگوں کے نزدیک معزز ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں۔ ورنہ لوگوں کے نزدیک کوئی پیمانہ حتمی نہیں ہوتا۔ انسان کو اپنے اصل انداز میں رہنا چاہیے۔ دنیا خود بخود آپ کے مطابق ڈھل جائے گی۔ اور دوسری قسم کے لوگ تمہارے جیسے ہوتے ہیں۔" گھوڑے کو درخت کے قریب لے جا کر اس نے اس کا رخ جبراً پتوں کی طرف موڑا۔ پہلے تو گھوڑے نے مزاحمت کی' پھر پتوں کو سونگھا تو ڈھیلا پڑا اور ذرا سا پتہ دانتوں میں توڑا۔

"تمہارے اندر چونکہ اپنی عزت نہیں تو ایک خلاء بن گیا ہے۔ تم اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے تالیہ کی طرح اپنے اوپر ملمع نہیں چڑھاتے۔ تم بس خود کو ادھورا تسلیم کر لیتے ہو۔ نامکمل' مسخ شدہ۔ اور اس ادھورے پن کو دوسرے انسانوں سے بھرنے کی کوشش کرتے ہو۔ میری کلاس فیلو کی طرح تم بہت جلد لوگوں سے متاثر ہو جاتے ہو۔ تم نے صوفیہ رحمٰن کو ووٹ دیا تھا۔ مجھے نہیں۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ میرے پاس ایک چیز تھی۔ سچائی اور ایمانداری۔ تمہیں اس خوبی نے کبھی اٹریکٹ نہیں کیا' کیونکہ وہ تمہارے پاس بھی ہے۔ تم سچے انسان ہو۔ مگر صوفیہ کے پاس سحر انگیز شخصیت اور مجمع کو اپنی تقریر سے مسحور کر دینے کا فن تھا۔ وہ تمہارے پاس نہیں تھا۔ وہ ایک اوور کانفیڈینٹ خاتون ہے' اور تم میں اعتماد کی شدید کمی ہے۔ اس لئے تم اس سے متاثر ہو گئے۔"

"یعنی میں ان لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں جن کے پاس وہ ہوتا ہے جو مجھے پسند ہے مگر وہ میرے اپنے پاس نہیں ہے؟" اسے یہ سب کہتے ہوئے برا لگ رہا تھا۔ اپنی ذات کا کسی دوسرے سے بے رحمی سے تجزیہ کروانا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔

''بالکل۔ تم اب بھی اگر مسلسل کسی سے متاثر ہو رہے ہو تو تم اپنی کمی کو کسی دوسرے میں تلاش کر رہے ہو۔ تمہارے جیسے لوگوں کو لگتا ہے کہ دوسرے ان کو ان کے 'اصل حال' میں قبول نہیں کریں گے' اس لئے وہ خود کو کسی متاثر کن انسان یا چیزوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو اپنے اصل سیلف سے زیادہ بڑا دِکھنے کا ایک ہی طریقہ نظر آتا ہے کہ وہ کسی طرح خود کو کسی 'بڑے' انسان کے ساتھ منتھی کر لیں۔ تم صرف ایک بت تراش رہے ہو' اور پروانے کی طرح اس کے گرد چکر کاٹ کے اپنی وقعت دنیا کی نظر میں بڑھانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''تو اس بت کو کیسے توڑا جاتا ہے؟ کیسے میں انسانوں سے متاثر ہونے سے بچ سکتا ہوں؟'' وہ سخت اداس نظر آنے لگا تھا۔

''اپنے آپ کو پہچانو۔ اپنے اندر کی خوبیوں کو نکھارو۔ کسی سے کوئی لالچ نہ رکھو۔ دوسرے لوگوں کی رائے سے بے نیاز ہو کے اپنا کام کرو۔ تمہاری عزت بڑھے گی۔ اور تم لوگوں سے خواہ مخواہ متاثر نہیں ہو گے' کیونکہ تم یہ جان جاؤ گے کہ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو۔''

گھوڑا اب سکون سے درخت کی ٹہنیوں سے چر رہا تھا' اور فاتح اس کے سر پہ کھڑا محتاط سا اس کو دیکھ رہا تھا۔ ایڈم اداس سا پیچھے کھڑا تھا۔

''تو میں صرف بت تراشتا ہوں اور ان کی پرستش کرتا ہوں' پھر جب وہ لوگ مجھے چھوڑ جاتے ہیں تو میرا شیشے کا بت ٹوٹ جاتا ہے۔ اسکول میں مجھے ہر دوسرے ٹیچر سے محبت تھی۔ سیاستدانوں میں مجھے صوفیہ رحمٰن اچھی لگتی تھی۔ رشتے داروں میں مجھے وہی خاندان کے بڑے پسند تھے جو سب سے زیادہ پُراعتماد اور بے نیاز تھے۔ اگر یہ سب میری خوداعتمادی کی کمی کی وجہ سے تھا تو محبت.... محبت کیا ہوتی ہے' سر؟''

قدیم ملاکہ کے اس سبزہ زار میں اس روشن صبح ایڈم نے ایک عام سا سوال پوچھا تھا۔

وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا' اور مسکرایا۔ ''محبت صرف فیری ٹیلز میں ہوتی ہے' ایڈم۔ اس کو اصل زندگی میں نہیں ڈھونڈتے۔''

پھر اس نے گھوڑے کی گردن کو تھپکا تو وہ گھاس سے منہ ہٹا کے گردن ادھر ادھر گھمانے لگا۔ فاتح نے اس کی لگام تھام لی اور سامنے کو چل دیا۔ کہنیوں تک آستینیں موڑے' ایک ہاتھ سے لگام تھامے' دوسرے سے ماتھے پہ چھجا بنائے' وہ ابھرتے سورج کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سبزہ زار کے اس پار ندی تھی جہاں سے اس نے گھوڑے کو پانی پلانا تھا۔

ایڈم خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ہیجان ہی ہیجان تھا۔

☆......☆......☆

سلطنت محل میں اپنی خواب گاہ سے ملحقہ کمرے میں سلطان مخملیں صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ انگوروں سے بھرا طشت سامنے رکھا تھا اور وہ کھڑکی سے باہر نظریں جمائے وقفے وقفے سے انگور منہ میں ڈالتا تھا۔ سنہری اور سبز زرتار پوشاک پہنے' سر پہ ریشمی پگڑی نما ٹوپی جمائے' جس کے اوپر قیمتی ہیرے اور زمرد جڑے تھے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا جب دروازے دستک کے بعد کھلا۔

مرسل نے چونک کے چوکھٹ کو دیکھا۔مراد راجہ اندر داخل ہو رہا تھا۔

''صبح بخیر آقا۔'' مراد آگے آیا اور ہاتھ باندھے جھک کے سلام کیا۔

مرسل نے دو انگلیوں سے قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آقا کی طبیعت ٹھیک ہے؟ دربار میں آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ میں نے سوچا خود حاضر ہو کے خیریت معلوم کرلوں۔'' انداز میں تشویش تھی مگر آنکھیں چھوٹی کر کے وہ غور سے مرسل شاہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''ہاں' ہاں۔ میں کچھ سوچ رہا تھا۔'' اس نے دو انگلیوں سے کنپٹی مسلی پھر مراد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مراد محتاط نظروں سے اسے دیکھتا سامنے بیٹھا۔

''کہیے آقا۔ غلام کس طرح آپ کی پریشانی دور کر سکتا ہے؟''

''تم ہمارے بنداہارا (وزیرِ اعظم) ہو' مراد۔ اور ملاکہ سلطنت کا بنداہارا سلاطین کی شادیوں' اور ان کے بچوں کی پیدائش کے انتظامات کا نگہبان ہوتا ہے۔''

''میں اپنے فرض سے بخوبی واقف ہوں' آقا۔ آپ کی اور ملکہ یان سوفو کی شادی میری نگرانی میں ہوئی تھی اور میں نے کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

''میں تم سے بہت خوش ہوں' اور اب...'' مرسل نے تھوڑی کھجاتے ہوئے شانے جھٹکے۔''اب میں شہزادی تاشہ کو اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں لیکن ملکہ اس بات پہ بہت جزع وفزع کریں گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم بذاتِ خود اس تقریب کا انتظام کرو' اور ملکہ کے کسی بھی ممکنہ ردِعمل سے نمٹنے کی حکمتِ عملی تیار کرو۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔'' وہ عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اگر فکر تھی تو صرف ملکہ کے ردِعمل کی۔

مراد بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

''آقا' آپ شہزادی کو صرف خاتون کا درجہ دینا چاہتے ہیں یا ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں پہلے صرف شہزادی کو خاتون بنانا چاہتا تھا لیکن اب میرا ارادہ بدل چکا ہے۔ میں ان کو ملکہ کا مقام دینا چاہتا ہوں۔ تم تیاری کرلو۔'' سادہ سے انداز میں حکم جاری کیا اور پوشاک جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔ سپاٹ چہرہ لئے مراد بھی فوراً سے کھڑا ہوا۔

''جو حکم' آقا۔''

مرسل نے محض سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ مراد بے تاثر چہرے کے ساتھ پیچھے کو لپکا۔

باہر دروازے سے کان لگائے کھڑی کنیز فوراً اوٹ میں ہو گئی۔ دربان خاموشی سے اس کو دیکھتے رہے مگر کوئی روک ٹوک نہ کی۔

مرسل شاہ اور راجہ مراد آگے بڑھ گئے' تو کنیز اوٹ سے نکلی اور دوسری راہداری میں بھاگی۔ اس کا رخ ملکہ یان سوفو کے حرم کی طرف تھا۔

دربار میں تقریباً تمام افراد اب بیٹھ چکے تھے اور مسلسل سلطان کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ دربار کے بند دروازوں کے باہر برآمدہ بنا تھا جس سے چوڑی طویل سیڑھیاں نیچے محل کے صحن میں اترتی تھیں۔ سیڑھیوں کے دہانے پہ کنیزوں اور خادموں کی معیت میں تالیہ کھڑی تھی۔ سر پہ تاج سجائے' پیروں تک آتا سرخ کامدار لباس پہنے' وہ مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی جہاں سے وانگ لی اوپر چڑھتا آتا دکھائی دے رہا تھا۔ پیچھے دو غلام بھی تھے۔ ایک تو خوشگوار انداز میں نظریں اطراف میں گھما رہا تھا' اور دوسرا.... دوسرا 'غلام' پرسکون چہرے اور پر اعتماد چال کے ساتھ وانگ لی کے پیچھے چل رہا تھا۔ ہاتھ بندھے تھے مگر گردن اور نگاہیں دونوں اٹھی ہوئی تھیں۔

تالیہ اس کو نظر انداز کیے وانگ لی پہ نظریں جمائے کھڑی مسکراتی رہی۔ وہ اوپر آیا اور ہاتھ جوڑ کے سلام کیا۔ ''صبح بخیر' شہزادی!''

''اچھا لگا آپ سے ملاقات کر کے' سن باؤ۔ میرا بہت جی چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کا۔''

وانگ لی کا پھولے گالوں والا چینی چہرہ کھل اٹھا۔ ادب سے دوبارہ جھک کے سیدھا ہوا۔ ''آپ کا جب جی چاہے' آپ بلوا لیا کریں' مجھے' شہزادی۔ غلام کو شہزادی کی خدمت کر کے خوشی ہوگی....''

''بلواتی کیوں' سن باؤ؟ مجھے تو آپ سے ملنے سے زیادہ آپ کا گھر دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ بہت قصے سن رکھے ہیں اس سرخ لکڑی والے گھر کے۔''

وہ وانگ لی کو دیکھ کے سادگی سے کہہ رہی تھی اور پیچھے کھڑے وان فاتح کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ وہ زیرِلب مسکرایا تھا۔

''میرے غریب خانے کے قصے کہاں سن لئے آپ نے؟'' وہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔

''آپ سے پہلے جو اس گھر کا مالک تھا' وہ اس کی تعریف میں رطب السان رہتا تھا۔'' ایک نظر فاتح پہ ڈالی۔

''ہاں' وہ میرا ایک جرنیل تھا' چند سال پہلے اسی نے یہ گھر بنوا کے دیا تھا مجھے' مگر وہ اس میں زیادہ عرصہ رہا نہیں۔''

''مگر یہ گھر اس کو بہت عزیز تھا' سن باؤ۔ اس کو اس میں ایک بھی خامی نظر نہیں آتی تھی۔ یا شاید وہ مغرور تھا کافی۔ جو پسند آ گیا اس کی خامیاں نہیں دکھتی تھیں' اور جو پسند نہیں آیا اس کی خوبیاں بھول جاتا تھا۔'' وہ اب بھی وانگ لی کو ہی دیکھ رہی تھی۔

فاتح نے بے اختیار ابرو اٹھائے۔ (سیریئسلی) مگر وہ اس طرف متوجہ نہ تھی۔

''وہ احمق تھا۔'' وانگ لی بے اختیار ہنس دیا۔ پھر جھک کے سلام کیا اور اجازت لے کر دربار کی طرف چلا گیا۔

تالیہ مڑی تو دیکھا' عقب سے ملکہ یان سوفو چلی آ رہی ہے۔ اس کے پیچھے کنیزوں اور خادموں کا غول بھی تھا۔ ملکہ اس کے قریب رکی تو تالیہ نے جھک کے سلام کیا۔ ''ملکہ!''

''میں نے اس مسئلے کا ایک حل ڈھونڈ لیا ہے۔'' اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''کون سا مسئلہ' ملکہ؟'' پھر اسے یاد آیا۔ ''قومی خزانہ مسلسل کم ہونے والا مسئلہ؟'' اسے آخری ملاقات میں زیرِ بحث آیا مسئلہ یاد آیا۔ ''اس مسئلے کا حل تو واقعی ضروری ہے' ملکہ۔ اخراجات بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور (آواز دھیمی کی) ابوالخیر اور مراد راجہ کی مسلسل محصول (ٹیکس) کے پیسوں سے چوری کے باعث خزانہ کم ہوتا جا رہا ہے۔''

''مگر اس کا حل ڈھونڈ لیا ہے میں نے۔'' مسکرا کے کہتی ملکہ آگے بڑھ گئی۔ تالیہ نے بس مسکرا کے سر کو خم دیا البتہ سوچتی نظروں سے گردن موڑے ملکہ کو دیکھنے لگی۔ (کیسا حل؟)

دفعتاً ایک کنیز دور سے بھاگتی آتی دکھائی دی۔ دربار کے دروازے پہ ابھی ملکہ پہنچی ہی تھی کہ کنیز نے اسے روکا اور کان میں کچھ کہا۔ تالیہ یہاں سے ملکہ کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔

کنیز کی سرگوشی سن کے یان سوفو کے گال گلابی پڑے' اور اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں زور سے میچیں۔

چند لمحے ضبط کی اس کیفیت میں کھڑی رہی پھر آنکھیں کھولیں اور برداشت سے مسکرائی' ایک گہری نظر پلٹ کے تالیہ پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔

کچھ عجیب تھا اس کے انداز میں۔

''آخر ہمارا قومی خزانہ جا کہاں رہا ہے' ابوالخیر؟''

دربار سجا تھا' اور تمام درباری اور وزراء اپنی کرسیوں پہ خاموش بیٹھے تھے۔ تخت پہ سلطان مرسل براجمان تھا' سامنے پھلوں کی ٹوکری رکھی تھی جس سے وہ رمبوتان پھل اٹھا کے اسے دانتوں سے کاٹتا' منہ میں چباتا وہ تنک کے پوچھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ سجی سنوری' خاموش سی ملکہ بیٹھی تھی۔ نظریں نیچے درباریوں کی قطار میں ایک کرسی پہ بیٹھی تالیہ پہ جمی تھیں۔

تالیہ اس طرف متوجہ نہ تھی۔ کبھی وہ سلطان کو دیکھتی جو ناخوش لگ رہا تھا اور کبھی نظریں پھیر کے.... ستونوں کے پیچھے قطار میں کھڑے غلاموں میں سے اس ایک 'غلام' کو دیکھتی جو خاموشی سے دربار کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ چونکہ وہ وانگ لی کا خاص غلام تھا اس لیے اسے اپنے مالک کے پیچھے کھڑے رہنے کی اجازت تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں تو تالیہ نے نظریں پھیر لیں۔

''آقا...'' ابوالخیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ادب سے کہنے لگا۔ ''پچھلے سلطان کے وزیر خاصے بدعنوان تھے۔ خزانے میں سے محصول کے پیسے چرا لیتے تھے۔ مگر ہم نے ہر طرح کی چوری چکاری کی روک تھام کر لی ہے۔ فی الحال قومی خزانے سے پورے ملک میں ترقیاتی کام ہو رہے ہیں۔ پُل بنائے جا رہے ہیں' مسافروں کے ٹھہرنے کو سرائے تعمیر کی جا رہی ہیں' اور فوج کو جدید اسلحے سے لیس کیا جا رہا ہے۔ اخراجات بڑھ گئے ہیں۔''

''حل.... مجھے حل بتاؤ۔اس کا کیا حل ہے؟'' مرسل بے زار ہوا۔

''آقا پچھلے سلطان کے وزراء جو دولت لوٹ کے چلے گئے تھے وہ تو واپس نہیں لائی جاسکتی' مگر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ تاجروں اور دکانداروں پہ جو محصول لگایا جاتا ہے' اس کو دوگنا کر دیا جائے۔ چند دن میں دوگنا محصول ملنے سے خزانہ دوگنا ہو جائے گا۔''

تالیہ نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور کھنکھاری۔ سلطان سمیت بہت سی گردنیں اس کی طرف گھومیں۔

''کہیے شہزادی تاشہ۔ آپ کے پاس کوئی بہتر نکتہ ہے؟'' سلطان نے دلچسپی سے سوال کیا۔ وہ کھڑی ہوئی اور ادب سے کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں آقا کہ ہماری سلطنت میں مہنگائی بڑھ گئی ہے اور آپ کے شاہی خزانے میں موجود دولت کم ہو رہی ہے....''

(عرصہ پہلے وہ کے ایل میں حالم کے بنگلے کے لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ہاتھوں میں دلیے کا پیالہ تھا اور چمچ بھر بھر کے منہ میں رکھتی وہ ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں دو خوبصورت صوفے آمنے سامنے رکھے تھے اور ایک پہ اینکر بیٹھا سوال پوچھ رہا تھا۔ ''آپ کے خیال میں ملائیشیا میں بڑھتی مہنگائی اور قومی خزانے میں خسارے کا کیا حل ہے' فاتح صاحب؟''

سامنے صوفے پہ بیٹھا' سوٹ میں ملبوس سیاستدان ہلکا سا مسکرایا' اور نرمی سے کہنے لگا۔

''پہلے یہ سوچو کہ قومی خزانے میں خسارہ ہے ہی کیوں' موہد؟'')

دربار میں کھڑی تالیہ کہہ رہی تھی۔ ''مگر ہمیں شاہی خزانے میں دولت کی کمی کی وجہ ڈھونڈنی ہوگی' آقا۔''

(''موہد...ملائیشیا کے خزانے کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ سیاستدانوں نے کرپشن کر کے ملک کا پیسہ منی لانڈرنگ کے ذریعے باہر بھیج دیا ہے اور وہ باہر کے بینکوں میں پڑا ہے۔'')

''آقا اس دولت کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ ملاکہ سلطنت کو چلانے والوں میں سے کچھ لوگوں نے خزانے میں سے مال لوٹ لوٹ کے کہیں دور چھپا رکھا ہے اس لیے ملاکہ میں مہنگائی بڑھ گئی ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی اور سب اسے سن رہے تھے۔ مراد کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی تھی۔

(موہد...ملائیشیاء کے اربوں ڈالرز باہر کے بینکوں میں پڑے ہیں جو ہمیں واپس لانے ہوں گے...'' سوٹ میں ملبوس سیاستدان اینکر کو بتا رہا تھا....)

''آقا' پہلے تو ہمیں یہ سارا لوٹا گیا خزانہ واپس لانا ہوگا۔ راجہ مراد کو تحقیق کرنی چاہیے کہ پچھلی حکومتوں کے وزراء نے لوٹ کے مال کہاں چھپایا ہوگا۔ مگر یہ تو بعد کی بات ہے...فوری اور موثر حل اس کا یہ ہے کہ....''

(''اور جب تک باہر کے بینکوں سے ہمارا پیسا واپس نہیں آتا...'' سیاستدان نے رک کے کافی کا مگ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ ''ہمیں ایک سادہ کام کرنا ہوگا۔ ہمیں امیر لوگوں سے ٹیکس لینا ہوگا اور ہمیں ہر اس امیر کو پکڑنا ہوگا جو ٹیکس نہیں دیتا۔'')

''فوری حل یہ ہے آقا کہ ہمیں ملاکہ سلطنت کے امراء اور رؤساء سے محصول وصول کرنا ہوگا۔ایک غریب دو سکے محصول دیتا ہے ...مگر امیر کی چونکہ دولت زیادہ ہے تو محصول بھی سینکڑوں سکوں کے برابر ہوگا۔ جب سلطنت کے سارے امیر محصول دیں گے تو خزانہ خود بخود بھر جائے گا۔غریب سے دو کی جگہ چار سکے محصول وصول کرنے کے' کیوں نہ ہم امیر سے دس سکے محصول وصول کریں؟''

(''مگر موحد' ملائیشاء میں ہوتا یہ ہے کہ حکمران رشوت لے کر امیروں کو ٹیکس پہ چھوٹ دے دیتے ہیں۔ چند ہزار کی رشوت دے کر امیر لاکھوں کا ٹیکس معاف کرا دیتے ہیں۔یوں خزانے میں کمی ہو جاتی ہے۔خزانہ صرف ایک چیز سے بھرتا ہے اور وہ ہے ٹیکس!'')

''مگر آقا مسئلہ یہ ہے کہ ابوالخیر کو اس امر کو لازمی بنانا ہوگا کہ ان کے امراء اور رؤسا دوست جو محصول ادا نہیں کرتے' وہ محصول ادا کرنا شروع کر دیں۔ اگر آقا اپنی فوج کے چند دستے امیروں کے گھروں کی طرف روانہ کر دیں اور وہ تلواریں میان سے کھینچ نکالیں تو یقین کیجئے شام تک قومی خزانہ دس گنا بڑھ جائے گا۔۔۔یہ میری ایک تجویز ہے' آقا۔ اگر ابوالخیر مناسب سمجھیں تو اسے لاگو کریں۔''اور پھر وہ بیٹھ گئی۔

ایک نظر دور کھڑے فاتح پہ ڈالی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔تالیہ نہیں مسکرائی'بس نظریں موڑ لیں کیونکہ سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔

مراد سپاٹ سا بیٹھا رہا البتہ ابوالخیر کے چہرے پہ شدید کڑھن در آئی تھی۔

سلطان مرسل نے تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچا۔''ویسے یہ تجویز کافی مناسب ہے۔''

''مگر یہ ممکن نہیں ہے آقا۔''ابوالخیر تندہی سے بولتے ہوئے جگہ سے اٹھا۔''امراء اور رؤساء کی ہمیں ضرورت ہے اس حکومت کو چلانے کے لئے۔ان سے زبردستی محصول وصول کریں گے تو وہ ناراض ہوں گے۔ اگر سابق سلطان کے مفرور بیٹوں نے بغاوت کر دی تو یہ رؤساء ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔خزانہ بڑھانے کا ایک ہی حل ہے کہ عوام پہ محصول بڑھا دیا جائے۔ آخر یہ محصول انہی عوام کے اوپر خرچ کیا جانا ہے۔''

تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے' مگر خاموش رہی۔

(وہ ابھی تک لاؤنج میں بیٹھی دلیہ کھا رہی تھی اور اسکرین پہ نظر آتا سیاستدان اینکر کو بتا رہا تھا۔

''مگر ہوتا یہ ہے موحد کہ حکومت امیروں سے ٹیکس نہیں لیتی۔ امیر لوگ ان وزیروں کے دوست ہوتے ہیں' اس لئے بچ جاتے ہیں۔حکومت قومی خزانے کو بڑھانے کے لئے عوام پہ دگنے ٹیکس لگا دیتی ہے۔موبائل فون کے کارڈ پہ کتنا ٹیکس لگ جاتا ہے' آپ سب جانتے ہیں۔مگر قیمتی گاڑیوں پہ ٹیکس کیوں نہیں بڑھایا جاتا؟ آپ سمجھ سکتے ہیں!'')

''آقا...میرے پاس ایک بہتر حل ہے۔''ملکہ نے مسکرا کے بات کا آغاز کیا تو سب نے چونک کے اسے دیکھا۔

''کہیئے یان سوفو۔''مرسل شاہ فوراً متوجہ ہوا۔ساتھ بیٹھی ملکہ اب گردن موڑے اس کو دیکھتے نرمی سے کہنے لگی۔

''آقا ہمیں فی الحال ہزاروں من سونا چاہیے تاکہ اخراجات پورے کیے جا سکیں۔اس سارے مسئلے کا فوری حل صرف عوام کے

محصول سے نہیں نکلے گا۔اس کا اصل حل وانگ لی لائے ہیں۔'' ملکہ نے کرسیوں کی قطار میں بیٹھے وانگ لی کو اشارہ کیا۔وہ کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔پھر ہاتھ باندھ کے جھکا اور روایتی کلمات کہے۔

تالیہ اچنبھے سے اسے دیکھتی آگے ہوئی۔پیشانی کے بل گہرے ہو گئے تھے۔

''آقا' آپ کا ملک اس وقت غربت کا شکار ہو رہا ہے اور اس کا ایک ہی حل ہے۔وہ یہ کہ شاہِ چین سے مدد لی جائے۔''

تالیہ مراد کا سانس تھم گیا۔

(مگر....موبد....'' سیاستدان گہری سانس لے کر افسوس سے کہنے لگا۔''ہماری کرپٹ حکومتیں ایسے حالات میں جانتے ہو کیا کرتی ہیں؟ وہ امیر ملکوں سے مدد لے لیتی ہیں۔''))

''آقا....شاہ چین ملاکہ کے حالات سے واقف ہیں اور انہوں نے آپ کے لئے ایک پیغام بھیجا ہے۔'' قدیم ملاکہ کے دربار میں کھڑا وانگ لی کہہ رہا تھا۔مرسل ذرا آگے کو ہوا۔پھل واپس رکھ دیا۔وہ سنجیدہ اور متوجہ تھا۔

سب وانگ لی کو دیکھ رہے تھے۔

(''امیر ملک اور ورلڈ بینک غریب ملکوں میں ایک Economic hitman بھیجتے ہیں۔جانتے ہو وہ کیا ہوتا ہے؟'' سیاستدان نے رک کے سوال کیا تو اینکر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''جی سر'میں نے Confessions of an Economic hitman پڑھ رکھی ہے مگر آپ ہمارے ناظرین کے لئے وضاحت کر دیں۔'' اینکر متانت سے بولا تو دلیہ کھاتی تالیہ آگے کو ہوئی اور غور سے سننے لگی۔

''یہ ایک پیغام رساں ہوتا ہے جو غریب ملک میں کی حکومت کو کہتا ہے کہ وہ ان کے امیر ملک سے قرضہ لے لیں۔''))

فربہی مائل چینی کہہ رہا تھا۔''اگلے ایک ماہ میں شاہِ چین اتنا سونا بھجوا دیں گے جو آپ کے ملک کا نظام سال بھر تک چلانے کے لئے کافی ہوگا۔اور یہ رقم آپ کو قسطوں کی صورت اگلے دس سال تک ادا کرنی ہوگی۔ادائیگی کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا آپ پہ۔آپ عوام پہ ذرا سا محصول بڑھا دیں' اور محصول کا وہ بڑھا ہوا حصہ ہر سال اکٹھا کر کے قرض اتارنے کے لئے استعمال کریں۔چونکہ شاہِ چین مسلمان نہیں ہیں تو یہ قرض سود پہ دیا جائے گا۔''

''دس سال....واہ یہ تو کافی لمبی مدت ہے۔'' سلطان کا چہرہ کھل اٹھا۔''اس میں تو با آسانی قرض اتارا جا سکتا ہے۔''

(یہ اکنامک ہٹ مین اس غریب ملک کو بھاری سود پہ قرضہ دلوا دیتا ہے۔کرپٹ حکمرانوں نے کون سا اپنی جیب سے قرضہ واپس کرنا ہوتا ہے'وہ اس کانٹریکٹ کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔)

''تم کیا کہتے ہو ابوالخیر؟'' مرسل نے پرجوش انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''آقا' میرے نزدیک یہ....'' ابوالخیر نے توقف کیا۔ ملکہ کی بے چین نظریں اس پہ جمی تھیں۔''.... یہ ایک بہترین حل ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا تو یان سوفو نے مسکرا کے گہری سانس خارج کی۔''ہمارے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے اور ہم ترقی کر سکیں گے۔''

''مگر آقا...'' تالیہ مضطرب سی کھڑی ہوئی۔''ہم اتنا بھاری قرضہ کیسے اتاریں گے؟ ہماری نسلیں مقروض ہو جائیں گی۔''

''شہزادی تاشہ!'' مراد اپنی جگہ سے اٹھا اور سنگین سرد آواز میں اسے مخاطب کیا۔''قرضہ اتارنا مردوں کا کام ہے' اور ملاکہ کے مرد یہ کام سرانجام دے دیں گے۔''

''راجہ ٹھیک کہہ رہا ہے' شہزادی۔'' مرسل خوشگوار انداز میں کہتا ہلکا پھلکا سا لگ رہا تھا۔''ویسے بھی دس سال ایک طوی ی ل (طویل کو لمبا کر کے) عرصہ ہے۔ تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال ہمیں اس قرض کو خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔'' پھر چہرہ سامنے کھڑے سن باؤ کی طرف موڑا۔''شاہ چین کو ہمارا شکریہ ادا کیجئے۔ ہمیں یہ معاہدہ منظور ہے۔''

(''مگر یہ کانٹریکٹ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔'' سیاستدان انٹرویو دیتے رکا' اور جھک کے کافی کا مگ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھر کے اسے نیچے کیا اور اینکر کی طرف دیکھ کے بولا۔''ورلڈ بینک یا امیر ملک یہ قرضہ ایک خاص شرط پہ دیتے ہیں۔'')

''آقا۔'' وانگ لی کھنکھارا۔''شاہ چین کی ایک شرط بھی ہے۔''

دربار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''اور وہ کیا؟'' مرسل کا پھل اٹھا تا ہاتھ تھما۔ تالیہ نے سامنے کرسیوں کے پیچھے کھڑے فاتح کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں افسوس تھا۔

(''امیر ممالک مثلاً امریکہ......'' سیاستدان نے دوبارہ کافی کا گھونٹ بھرا اور توقف سے بولا۔''اس شرط پہ قرضہ دیتے ہیں کہ یہ قرضہ وہ غریب ملک کی حکومت کو نہیں دیں گے بلکہ یہ رقم وہ اس ملک میں موجود اپنے ہی اداروں کو دیں گے۔ اور اس ادارے کا سربراہ وہی اکنامک ہٹ مین ہوتا ہے جو اس قرض کی پیشکش کو لے کر آیا تھا۔''

''یعنی سر... ناظرین کی آسانی کے لیے... یہ قرضہ امیر ملک اپنے ہٹ مین کو ہی دیتا ہے جو اسے ملک کی ترقی کے لیے استعمال کرتا ہے۔'')

''آقا.... شاہ چین کو آپ پہ اعتماد ہے مگر ماضی میں ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ ان کو آپ کے عہدیداروں پہ اعتماد نہیں ہے۔ آپ کا خزانہ پہلے ہی چوری ہوتا جا رہا ہے۔ بدعنوانی عروج پہ ہے۔ اس لئے....'' وانگ لی ادب سے کہہ رہا تھا۔''شاہ چین یہ رقم بلواسطہ آپ کے خزانے میں بھجوانے کی بجائے.... مجھے اور میرے چینی عہدیداروں کو بھجوائیں گے۔ اور ہم اس رقم سے آپ کے ملک میں ترقیاتی کام کریں گے' تاکہ ہمیں معلوم ہوتا رہے کہ پیسہ درست جگہ پہ خرچ کیا جا رہا ہے یا نہیں۔''

(''امیر ملک بہانہ تو یہ بناتا ہے کہ وہ یہ رقم اپنے اداروں کو اس لئے دے گا تا کہ کرپشن وغیرہ کی نگرانی کی جا سکے مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔عوام کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ایسے بھاری قرضے اگر دس بلین ڈالر کے ہیں' تو امریکہ واقعی دس بلین اپنے ہٹ مین کو عطا کر دیتا ہے۔مگر ہٹ مین ان میں سے ایک بلین اس غریب ملک پہ خرچ کرتا ہے۔تعلیم' صحت' انصاف کو نظر انداز کر کے سڑکیں اور پل بناتا ہے۔پارک بناتا ہے۔یعنی وہ ترقی کرواتا ہے جو نظر آئے۔''

''اور باقی نو بلین' سر؟'' اینکر نے متانت سے پوچھا۔

''باقی نو بلین وہ ہٹ مین خاموشی سے اپنے ملک کو واپس بھیج دیتا ہے۔کاغذوں میں اس ملک پہ دس بلین قرضہ چڑھا رہتا ہے اور وہ ملک ہر سال قرضہ ادا کرتا رہتا ہے۔سود کبھی ختم نہیں ہوتا اور نسلیں مقروض ہو جاتی ہیں۔لیکن اصل میں وہ قرضہ کبھی اس ملک کو ملا ہی نہیں تھا۔'')

سلطان مرسل نے قدرے اچنبھے سے بندا ہارا کو دیکھا۔''اس شرط کو میں کیا سمجھوں' مراد؟ کوئی مجھے بتائے کہ اس کا کیا مقصد ہے۔کیا یہ ہمارے حق میں اچھی ہے؟''

تمام درباریوں کی نظریں مراد کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ خاموشی سے اٹھا۔اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ مرسل سے فیصلہ کروانے والے تھے۔تالیہ نے منت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔''ملاکہ کی نسلوں کو مقروض مت کرو' راجہ!''

مراد راجہ نے ایک گہری نظر تمام افراد پہ ڈالی۔

(''سوال یہ ہے سر!'' اسکرین پہ نظر آتے اینکر نے نکتہ اٹھایا۔''غریب ملک کی حکومتوں میں کتنے ہی ذہین اور شاطر وزراء ہوتے ہیں۔اگر بالفرض ملک کا سربراہ مان لیا کہ بے وقوف ہے اور ایسی شرطیں قبول کر لیتا ہے' تو اس کی حکومت کے سمجھدار لوگ اس کو منع کیوں نہیں کرتے؟''

''وہ اس کو منع کر ہی نہیں سکتے' موبد۔کیونکہ وہ بھانپ لیتے ہیں کہ یہ غیر ملکی جو شرائط لے کر آیا ہے' یہ دراصل ایک اکنامک ہٹ مین ہے' اور جب ہٹ مین کی بات نہ مانی جائے اور حکومت اس کے خلاف اڑ جائے تو وہ ملک میں انتشار پھیلاتا ہے' بدامنی کراتا ہے اور حکومت گرا کے نیا سربراہ لاتا ہے۔پھر نئے سربراہ سے وہ معاہدہ سائن کروا لیتا ہے۔کرپٹ وزیر کیسے سربراہ کو منع کریں؟ منع کرنے کی صورت میں ان کو امیر ملک سے اپنی حکومت ختم کروا دینے کا خوف ہوتا ہے۔لیکن قرض حاصل کر لینے میں ان کا کیا جا رہا ہے؟'')

''آقا...'' مراد نے بات کا آغاز کیا۔سب دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

''وانگ لی سے میرے ذاتی اختلافات ایک طرف....شاہ چین کی شرط انصاف پہ مبنی ہے۔یہ شاہ چین کا پیسہ ہے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں خرچ ہو رہا ہے۔وانگ لی ایماندار آدمی ہیں۔پیسہ ان کے پاس آئے یا ہمارے پاس' ایک ہی بات ہے۔ہمیں اس شرط کو

قبول کر لینا چاہیے۔"

وانگ لی مسکرا دیا۔ یان سوفو کی گردن مزید اکڑ گئی۔ اور سلطان مرسل کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔

"معاہدہ میرے پاس لاؤ۔ میں اس پہ شاہی مہر لگانے کے لئے تیار ہوں۔" وہ خوش نظر آتا تھا۔ دربار میں مبارک سلامت کے نعرے گونجے۔ بادشاہ کی شان میں قصیدے پڑھے جانے لگے۔ سب خوش نظر آ رہے تھے۔ سب کی کرسیاں محفوظ ہو گئی تھیں۔

اداس تھے تو صرف وہ دو لوگ جو اس دنیا کے باسی ہی نہیں تھے۔

جن کو معلوم تھا کہ ایسے قرضوں نے صدیوں بعد بھی قوموں کی قومیں غلام بنا رکھی تھیں۔

☆......☆......☆

سلطنت محل میں دربار سے مخالف عمارت میں ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس میں فرشی نشست بچھی تھی۔ گاؤ تکیے لگے تھے اور سامنے دو فٹ اونچا چبوترہ بنا تھا جیسے قوالی کے لئے بنایا جاتا ہے۔

اس فرشی نشست پہ حاضرین کی طرف رخ کر کے ایڈم دوزانو بیٹھا تھا۔ سامنے چھوٹی میز پہ قرینے سے سجے صفحات رکھے تھے جن پہ وقفے وقفے سے وہ نظر ڈالتا اور پھر چہرہ اٹھا کے حاضرین کو دیکھ کے ادب سے پڑھتا جاتا۔

سامنے پہلی صف میں سلطان مرسل' بنداہارا اور چند وزراء بیٹھے تھے۔ وانگ لی مرسل کے بائیں جانب تھا۔ پچھلی صفوں میں درباری مرد بیٹھے تھے۔

"اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے "جیا" میں....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی نذر....

ایڈم مرسل شاہ کی تعریفوں اور شہزادی تاشہ کے قصیدوں کے بعد اب 'جیا' کے اس قصے پہ آیا تو آواز جوش سے بلند ہونے لگی۔

بنداہارا مراد قدرے چونک کے سننے لگا۔

" ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے بااثر لوگ اغوا کر کے...."

آخری صف میں دوزانو ہوئے چند خاص سپاہی اور اعلیٰ عہدیدار غلام بیٹھے تھے۔ وان فاتح ان میں سے ایک تھا۔ پلکیں سکوڑ کے وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

" اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کر کے...

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے..."

مرسل شاہ نے قہوے کی پیالی نیچے رکھی اور دلچسپی سے سننے لگا۔ مراد البتہ چونکا ہوا لگتا تھا۔ تاثرات سنجیدہ ہو گئے۔

"کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلیٰ سواریوں میں' رہا ہوں میں اونچے محلوں میں...."

ایڈم کی آواز جیسے جیسے نغمہ ساز کی طرح فضا میں بکھرتی گئی' حاضرین کا جوش و تجسس بڑھتا گیا۔ قصہ دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ بس سب کو یہ سب کہنے والے جری مرد کا نام جاننے میں دلچسپی تھی۔

"پھرا ہوں میں ملک ملک' اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے' جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک۔

کیونکہ میں...." ایڈم نے مسکراتے ہوئے حاضرین کو دیکھتے نظریں کاغذ پہ جھکائیں اور پڑھا۔

"وا....." وہ اٹکا.... نظریں اٹھائیں تو یہ نظریں بدلی ہوئی تھیں۔ تھوک نگلا اور فقرہ مکمل کیا۔

"کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہِ چین کا سب سے وفادار غلام!"

اور اس کی پلکیں جھک گئیں۔ منوں بوجھ ان پہ آن پڑا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں اٹھائیں' تو دیکھا.... سامنے جہاں مرسل شاہ نے خوشگوار حیرت سے گردن موڑ کے وانگ لی کو دیکھا۔

"کیا واقعی یہ تم نے کہا وانگ لی؟ ایسے خوبصورت بے باک الفاظ؟"

وہاں مراد راجہ نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ "ظاہر ہے یہ وانگ لی کی اعلیٰ پائے کی تربیت ہی ہے آقا' جو وہ کسی خوف و خطر کے بغیر اپنے 'اصل' کو رئیس زادوں کے سامنے بھی یاد کرنے سے نہیں رکتا۔"

پیچھے بیٹھے درباریوں کی بھی توصیفی واہ واہ گونجی۔

وانگ لی جہاں خود قدرے حیران تھا' راجہ کی بات پہ پھیکا سا مسکرایا۔ "آقا... میں...." وضاحت دینے کے لئے لب کھولے۔

"ہمارے دل میں تمہاری قدر و منزلت مزید بڑھ گئی ہے' وانگ لی۔ خوش رہو۔" مرسل شاہ نے زور سے اس کا شانہ تھپکا۔ پھر خوشگوار انداز میں واپس مورخ کی طرف گردن موڑی۔ "تم اچھا لکھتے ہو' آدم! آگے پڑھو۔ تمہارا کلام سننے میں لطف آ رہا ہے۔" اور سامنے چھوٹی میز پہ رکھے.... پھلوں میں سے ایک گچھا اٹھا کے لبوں میں رکھا۔

وانگ لی نے بدقت مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔ ”شکریہ آقا۔“ اور خاموش ہو گیا۔ قدرے غیر آرام دہ سا تھا۔ بار بار ایڈم کو دیکھتا تھا جیسے اچنبھے میں ہو مگر ایڈم اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے بس ایک نظر دور پیچھے بیٹھے فاتح پہ ڈالی۔

فاتح اس کو خود کو دیکھتے پا کے تلخی سے مسکرایا اور استہزائیہ سر جھٹکا۔ اس کی نظروں کا ملال اور تلخی....ایڈم کی آنکھیں جھک گئیں۔

محفل برخاست ہوئی اور سلطان، جو چینی امداد کی خوشی کے نشے میں سرمست تھا، اٹھنے سے پہلے ایڈم کو شاہی خلعت سے نوازا گیا اور شرفیوں سے بھری تھیلی بطور انعام بھی دی۔ ایڈم نے خاموشی سے وہ رکھ لی، جھک کے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے تو وہ تیزی سے باہر آیا۔ وانگ لی اپنے غلاموں کے ہمراہ دوسری سمت میں جا رہا تھا۔ ایڈم تیزی سے ان کے قریب آیا۔ فاتح نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ بس رفتار آہستہ کر دی۔ وانگ لی اور دوسرا غلام آگے نکل گئے۔ وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

”سر....“ وہ بے چینی سے بولا۔ ”میں....میں شرمندہ ہوں۔ جو میں نے کہا وہ سچ نہیں تھا، میں نے سچ چھپایا، مگر....“

”یہ خلعت سنبھالو ایڈم۔ یہ کافی بھاری ہے۔ تم پہ بوجھ بڑھ گیا ہے۔“

”مگر سر....“

”مجھے کچھ برا نہیں لگا۔ بلکہ اچھا ہوا کہ میرے خدشات دور ہو گئے۔ میں نے جان لیا کہ اب بس وہی ہو گا جو بنگارایا ملایو میں لکھا ہے۔ مجھے اسی طرح پلان بنانا ہو گا۔ شکریہ ایڈم۔“

وہ سپاٹ سا کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

ایڈم مٹھیاں بھینچے بے بسی سے دور جاتے وانگ لی اور اس کے غلام کو دیکھتا رہا۔

وہ بنداہارا کے محل کے باغ میں تھی جب ایڈم اس کو ڈھونڈتا وہاں آیا۔

باغ میں ایک جگہ بڑے بڑے پتھروں سے سنگی نشستیں بنی تھیں، جیسے مشروم کے سر کاٹ دیے ہوں اور وہ ایک سر کٹے مشروم پہ بیٹھی، اپنا لباس دائیں بائیں پھیلائے، دور افق پہ دوپہر کے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بادلوں کے پیچھے چھپا آدھی نارنجی ٹکیا جیسا دکھائی دیتا تھا۔

”آپ نے ایسا کیوں کیا، چے تالیہ؟“ وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

”کیا میں نے آپ کو مسودہ اس لئے دیا تھا کہ آپ اس میں وان فاتح کے نام کی جگہ وانگ لی کا نام لکھ دیں؟ اس سے پہلے آپ نے میرا لکھا ایک حرف بھی نہیں بدلا۔ تو یہ کیوں؟“ وہ سخت شکست خوردہ، دل ہارا نظر آتا تھا۔ مسودہ سنانے سے قبل ایک دفعہ بھی پڑھ لیتا تو ذہنی طور پہ تیار تو ہوتا مگر اسے گمان تک نہ گزرا تھا کہ وہ یہ کر دے گی۔

''کیا وہ خفا تھے؟'' تالیہ کی نظریں سورج پہ تھیں۔

''ظاہر ہے ان کو برا لگا ہے۔ کیونکہ ہم نے جھوٹ بولا ہے۔ سچ کو چھپایا ہے۔''

''یا شاید اس لئے کہ ہم نے ان سے مزید 'فین' بنانے کا موقع چھین لیا ہے اور...''

''بات فینز کی نہیں ہے' چے تالیہ۔'' وہ بے زار ہوا تو وہ ایک دم سے اٹھی اور اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ سختی تھی۔

''ایڈم بن محمد.... میری بات کاٹے بغیر سنو...'' وہ غرائی تو وہ بالکل چپ ہو گیا۔ ''تمارے فاتح صاحب اکیسویں صدی میں ایک اسٹار سیلبرٹی تھے۔ ان کے لاکھوں فینز تھے۔ وقت کی قید نے ان سے وہ مقام چھین لیا کہ جہاں ان کو صنم بنا کے ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ فینز کو پرستار اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ستارے کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو پرستاروں کی عادت ہو جائے' ان کے لئے پرستش کروائے بغیر رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حب جاہ اور حب جاہ.... وہ ان دونوں کے بغیر ادھورے ہیں۔ ظاہر ہے ان کو برا لگے گا کہ ہم نے ان سے مزید پرستار بنانے کا موقع چھین لیا۔ ارد گرد دیکھو.... ان کا کوئی فین نہیں ہے یہاں۔''

''چے تالیہ.... آپ نے.... ایسا کیوں کیا؟'' وہ دکھی تھا۔

''کیونکہ.... میں نہیں چاہتی ان کو توجہ ملے۔ وہ کسی کی نظروں میں آئیں۔ وانگ لی ایسے الفاظ بولے تو کوئی نہیں چونکے گا۔ لیکن اگر کوئی غلام بولے تو بنداہارا ضرور چونکے گا۔ میرا باپ اس وقت ملاکہ میں ہر آدمی کی گردن کو دیکھ رہا ہے تا کہ وہ نشان ڈھونڈ سکے۔ اگر اس کو تمہاری کتاب میں دیوتا بنے شخص کی گردن پہ وہ نشان مل جائے تو وہ کیا حال کرے گا وان فاتح کا' احساس ہے تمہیں؟''

ایڈم بالکل چپ ہو گیا۔

''میں جو کر رہی ہوں' ہم تینوں کی بھلائی کے لئے کر رہی ہوں۔ تم غلاموں کی کہانی لکھنا چاہتے ہو' لکھو' مگر اس کو وانگ لی کے نام سے لکھو یا کسی اور نام سے۔ مگر فاتح کا نام تم اپنی کتاب میں نہیں لکھو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔'' وہ تحکم سے چبا چبا کے بولی۔

ایڈم نے اپنے سامنے کھڑی شہزادی کو نظر اٹھا کے دیکھا۔ اس کے عقب میں بنداہارا کا محل نظر آ رہا تھا' اور وہ اس محل کی طرح اونچی' بارعب اور پُر تمکنت لگ رہی تھی۔

''میں اس حکم کو نہیں ماننا چاہتا۔ میں نے وان فاتح سے وعدہ کیا تھا کہ....''

''ایڈم بن محمد...'' وہ ایک دم غرائی تو وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ''تم یہاں.... میرے حکم پہ.... کھڑے ہو۔ تمہیں یہاں تک میں (سینے پہ انگلی رکھے) لائی ہوں۔ میں ملاکہ کے بنداہارا کی بیٹی شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں۔ اس محل میں وہ ہوتا ہے جو میرا حکم ہوتا ہے۔ میرے سامنے اپنی توجیحات مت رکھو۔ تم وہی لکھو گے جو میں چاہوں گی ورنہ تم اس دنیا میں تا عمر بھٹکتے رہو گے۔ سنا تم نے!''

محل دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ طاقت کا پلڑہ بے قابو ہو گیا تھا۔ پیمانے اوپر نیچے ہونے لگے اور اپنی اپنی جگہ پہچاننے لگے۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے ہو کے گر سے گئے۔اس نے سر جھکا دیا۔''جو حکم' شہزادی۔''

وہ ایک برہم نگاہ اس پہ ڈالتی' لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز آگے بڑھ گئی۔ وہ سر جھکائے اس اداس سے باغیچے میں کھڑا رہا۔سامنے موجود محل نے کان میں سرگوشی کی۔''طاقت میں بہت طاقت ہے' بے وقوف مورخ!''

☆......☆......☆

ملکہ کی خواب گاہ سرخ اور زرد رنگ کے پردوں اور قالینوں سے سجی تھی جن پہ مختلف طرح کے شیر اور ڈریگن کی شکلوں کے نقش و نگار بنے تھے۔دیوار کے کھلے خانوں میں چینی کے برتن اور صراحیاں سجی تھیں۔پلنگ کے اوپر سرخ جالی دار پردے گرتے نظر آتے تھے غرض وہ ہر طرح سے ''شاہ چین کی دختر'' کا کمرہ لگتا تھا۔

ملکہ یان سوفو اندر داخل ہوئی تو دربار کے برعکس اس کے چہرے کی خوشگواریت عنقا تھی۔رنگت گلابی دہک رہی تھی' ماتھے پہ بل تھے اور وہ غصے میں تھی۔

اس کی خاص کنیز بھی پیچھے آئی اور دہلیز پار کر کے کونے میں کھڑی ہو گئی۔

یان سوفو آگے بڑھی....سنگھار میز تک آئی اور کلائی سے چوڑیاں اتارنے لگی۔

''ملکہ....ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔آقا شہزادی تاشہ کو اپنے حرم میں داخل نہیں کریں گے۔''

''پانچ سال کی تھی جب گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا میں نے۔'' وہ رگڑنے والے انداز میں چوڑیاں اتار اتار پھینک رہی تھی۔ آنکھیں شدتِ جذبات سے سرخ پڑ رہی تھیں۔''نو سال کی ہوئی تو قیدیوں پہ مشقوں کے دوران ایک قیدی کی پیشانی میں پہلا تیر گھونپا تھا میں نے۔شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اور محبوب تھی میں۔''

''ملکہ....'' کنیز نے دلگرفتہ نظروں سے اسے دیکھ کے کچھ کہنا چاہا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''بائیس برس کی ہوئی تو اپنی ہر فن سے آراستہ بیٹی کو بابا نے سینکڑوں چینی اہلکاروں کے ساتھ اس ملک کی طرف روانہ کر دیا۔ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھڑوا کے مجھے مسلمان بنایا گیا۔پھر ایک ایسے سلطان سے میری شادی کر دی جس کو میں جانتی تک نہ تھی مگر حکم تھا کہ یہی کرنا ہے۔یہ دونوں ملکوں کے لئے خوش بختی لائے گا۔کیسی خوش بختی ہے جو چین کی شہزادی کے دل کو روند کے ملتی ہے؟'' اب وہ اپنی گردن سے زیور نوچ کے اتار رہی تھی۔نظر اٹھا کے آئینے میں دیکھا تو آنکھیں بھیگ گئیں۔

''جس سلطان کو کھانا کھانے کی تمیز نہیں' جس کو اپنی عقل سے سوچنا تک نہیں آتا۔جس کو دوسرے چلاتے ہیں۔اور جس کو میں نے ہر قربانی دینے کے بعد سدھارنے کی کوشش کرنا چاہی۔اپنے ملک کے لئے....چین کے لئے۔اپنے شاہ کے لئے۔وہ سلطان آج کہتا ہے کہ وہ میرے مقابلے پہ ایک دوسری ملکہ لے آئے گا۔'' آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہوئے اس نے تاج اتارا اور دیوار پہ دے مارا۔

کنیز سہم کے پیچھے ہوئی۔

یان سوفو نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''وہ شاہ چین کی بیٹی کے مقابلے پہ دوسری عورت لائے گا؟ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟''

''ملکہ' ضرور شہزادی تاشہ نے آقا کو اپنے جال میں پھنسایا ہوگا ورنہ آپ کی خوبصورتی کے سامنے تو....''

یان سوفو نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ ''شہزادی تاشہ!'' پھر چہرہ اٹھایا اور آئینے میں عکس دیکھا تو کاجل آنسوؤں کے باعث مٹا مٹا سا تھا اور جوڑے سے لٹیں نکل کے ادھر ادھر بکھری تھیں۔

''شہزادی تاشہ کے چہرے پہ تیزاب پھینک سکتی ہوں میں....اسے زنداں میں ڈال سکتی ہوں۔ اس کی جان لے سکتی ہوں۔ مگر....'' اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھوں پہ رکھیں اور ان کو رگڑنے لگی پھر انگلیاں ہٹائیں' چہرہ اٹھایا اور گہری سانس لی۔

''مگر میں پانچ برس کی تھی تو گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا۔ اتھرے جانور کو قابو کرنا مجھے تب سے آتا ہے۔'' آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔

نو سال کی تھی تو قیدی کے سر پہ رکھے سیب کی جگہ پیشانی میں تیر گھونپا تھا۔ کیونکہ کان میں بابا نے کہا تھا کہ مشق تو ناٹک ہے' اصل مقصد اس قیدی کو مارنا ہے۔ تب سے محل کے رازوں اور سازشوں کا استعمال کرنا آتا ہے۔'' اس نے غازے سے اٹا رومال اٹھایا اور اس سے چہرے کو تھپتھپایا۔ رنگت میں سفیدی اور گلابی گھل گئی۔

''شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اس لئے تھی کیونکہ بابا کو معلوم تھا' میں انسانوں کو پڑھ بھی سکتی ہوں اور ان سے نپٹ بھی سکتی ہوں۔'' لالی اٹھائی اور لبوں پہ لگائی۔

''بائیس برس کی تھی تو اس لئے مجھے تنہا شاہی دستے کے ساتھ غیر ملک میں روانہ کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے' یان سوفو تنہا مقابلے کرنا بھی جانتی ہے۔ دونوں ملکوں کو خوش بختی ملے گی' مگر یان سوفو کا دل اب مزید نہیں روندا جائے گا۔'' اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور جیسے الجھی لٹوں کو شانت کر کے درست کیا۔ پھر سنگھار میز پہ رکھا دوسرا تاج اٹھا کے سر پہ رکھا۔

''میں اب صرف شاہ چین کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں ملاکہ سلطنت کی ملکہ بھی ہوں۔ اور مجھے مراد راجہ اور شہزادی تاشہ سے زیادہ چالیں چلنا آتی ہیں۔'' پھر اس نے گردن موڑی اور کنیز کو دیکھا تو اب قدرے پرسکون اور سپاٹ نظر آتی تھی۔

''شہزادی تاشہ کو کل محل بلوا لو۔ ہم ظہرانہ ایک ساتھ کھائیں گے۔''

کنیز نے الجھ کے اسے دیکھا مگر سر تسلیم خم کر لیا۔ ''جو حکم' ملکہ!'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

☆......☆......☆

''جیا'' پہ مغرب کا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ اندر قندیلیں روشن کر دی گئی تھیں اور بڑا ہال کھچا کھچ بھرا نظر آ رہا تھا۔ پسماندہ' زبوں حال سے نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد میزوں پہ بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف نظر آتے تھے۔ بعض عجلت میں کھا رہے تھے جیسے ان کو واپس پہنچنے کی جلدی ہو۔

ہال کا ایک دروازہ رسوئی میں کھلتا تھا جہاں چولہے رکھے تھے اور چھت کھلی تھی۔ دھواں فضا میں اڑتا جا رہا تھا اور دیگچوں میں پکوان پکتے نظر آ رہے تھے۔ ایک چولہے کے قریب فاتح بن رامزل پنجوں کے بل بیٹھا لکڑیوں کو چولہے کے اندر دھکیل رہا تھا۔ دھواں اٹھا تو اس نے جھک کے پھونک ماری۔ ایک دم شعلہ سا جل اٹھا اور دھواں چھٹتا گیا۔ اس نے آنکھیں مسلیں اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ رسوئی میں اکیلا بیٹھا تھا۔ دوسرے غلام کاموں کے سلسلے میں آ جا رہے تھے۔ وہ ان غلاموں کا نگران بنا دیا گیا تھا اور اس پہ اب روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ آواز پہ چونکا۔ لکڑیوں کے ساتھ آریانہ آ بیٹھی تھی اور چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے' یاسیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مٹیالے کرتے پاجامے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح ذرا سا مسکرایا۔ ''یہ سوچ رہا ہوں کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

''آپ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''اب بھی ہے۔ مگر یہ لوگ....'' گردن موڑ کے اس دروازے کو دیکھا جو اندرونی ہال میں کھلتا تھا۔ ''یہ شہر کے غلام محکوم لوگ..... یہ کیسے اپنے لئے کچھ کریں گے؟'' اس کے انداز میں افسوس تھا۔

''کسی کو تو ان کے لئے لڑنا ہوگا' ڈیڈ۔ وانگ لی تو وہ ہیرو نہیں نکلا جو آپ اس کو سمجھتے تھے۔ صبح دربار میں اپنی تعریف سن کے وہ خوش تو ہو گیا مگر اس نے تب سے لے کر اب تک آپ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ وہ کوئی عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے گا۔''

''غلط۔ اس کے بارے میں تاریخ میں لکھے تمام واقعات درست تھے سوائے اس ایک کے۔ وہ جنگی فتوحات' وہ بحری سفر' وہ سفارتکاری' وہ سب کارنامے وہ انجام دے چکا ہے ...''

''اس نے جو بھی کیا' ڈیڈ' وہ چین کے لئے کیا۔ اب بھی ملاکہ کو قرض کی غلامی میں ڈال کے وہ اپنے ملک سے حب الوطنی کا ثبوت ہی دے رہا ہے۔ وہ ہیرو ہے مگر چینی قوم کا۔ آپ کو اپنی قوم کا مسیحا خود بننا ہوگا۔''

''صحیح کہہ رہی ہو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے اور سوچتی نظروں سے ہال کے دروازے کو دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تقدیر صرف ان قوموں کی بدلتی ہے جو اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

وہ ہال کے اندر آیا اور ایک غلام سے طشت لے لیا۔ پھر ایک میز تک آیا جو وسط میں تھی۔ اس پہ دو آدمی کھانے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ فاتح نے ان کے سامنے چاول اور ترکاری کے کٹورے رکھے تو وہ جلدی جلدی کھانے پہ ٹوٹ پڑے۔ وہ طشت اٹھائے کھڑا غور سے ان کو دیکھے گیا۔

''آرام سے کھالو' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔''

''تم میرے آقا کو نہیں جانتے۔ جلد واپس نہ گیا تو وہ میرا برا حال کر دے گا۔'' وہ انگلیوں سے چاول منہ میں رکھتے ہوئے بولا تو فاتح نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''تمہاری مجبوری صرف جسمانی غلامی تھی۔ ذہنی غلام کیوں بن گئے ہو؟'' وہ ذرا اونچا بولا تو قریب میں چند گردنیں مڑیں۔

''ذہنی غلامی؟ وہ کیا ہوتی ہے؟'' غلام کے چاول میں ہاتھ رہ گئے۔ ہونقوں کی طرح چہرہ اٹھا کے اس کو دیکھنے لگا۔

فاتح نے کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھا' پھر بولا تو آواز بلند تھی۔

''کسی انسان سے اتنا ڈرنا یا اس سے اتنی محبت کرنا کہ اپنے ہر کام' ہر فیصلے کو کرنے سے پہلے اس کا متوقع ردِعمل سوچنا... یہ غلامی ہے میرے دوست اور یہ تم سب...'' انگلی سے اطراف میں اشارہ کیا۔ ''...کی عادت ہے۔ تم سب ذہنی غلام ہو۔''

''تو کیا کریں؟'' غلام نے خفگی سے چاول پلیٹ میں پھینکے۔ ''آقا کے غلام ہیں۔ حکم نہ مانیں تو ڈر لگتا ہے کہ سزا ملے گی۔''

''مسلمان ہو کیا تم' ہاں؟'' وہ برہمی سے بولا تو سارے میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھنے لگے تھے۔ ''پھر کیوں بھول جاتے ہو کہ مسلمان کسی سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔''

''اللہ سے ہم بھی ڈرتے ہیں' مگر ہمارا مالک....''

''میرے بھائی' صرف اللہ سے ڈرنے کی عادت ڈالو۔ تمہارا مالک کیا' دنیا کا کوئی انسان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر تم اللہ سے مدد مانگو تو۔'' اس نے لہجہ قدرے نرم کیا اور انداز میں جیسے منت سی بھر لی۔ ''جسمانی غلامی تمہاری مجبوری ہے' مگر خدارا ذہن کو تو آزاد رکھو۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آزاد انسان بننا سکھایا تھا۔ ہم کیوں وہ سب بھول گئے ہیں۔''

کسی نے جواب نہیں دیا۔ لوگ کھانا روک کے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں تم لوگ پریشان ہو' اکیلے ہو' تمہیں اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے اور غلام بنایا گیا ہے مگر تمہیں اس حالت میں ڈالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انسان کو اکیلا کرتا ہے۔ سارے رشتے' دوست' مددگار' ایسے حالات بنا دیتا ہے کہ سب چھوڑ جاتے ہیں اور وہ سب سے انسان کو کاٹ کے کسی تنہا جزیرے پہ لے جاتا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟''

کوئی جواب نہ آیا۔ بس خالی چہرے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیونکہ محبت کرنے والے جب تک ہمارے اردگرد ہوتے ہیں' ان کی محبتوں کا شور ہمیں اپنے اندر نہیں جھانکنے دیتا۔ کبھی کبھی اس شور کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ زبردستی' جبراً۔ یہ تمہارا اور میرا اللہ ہے جو انسان کو اکیلا کر کے اس کو اس کے اندر جھانکنے کا موقع دیتا ہے۔ تم اپنے مالک سے کیوں ڈرتے ہو؟ وہ تمہارا خدا نہیں ہے۔ کوئی انسان کسی کی زندگی کا خدا نہیں ہوتا۔ خدا صرف ایک ہے۔'' انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔ نظریں ایک سے دوسرے تک جا رہی تھیں۔

''اس خدا سے ڈرنا سیکھو۔ اس خدا کو پہچاننا سیکھو۔ وہی ہماری زندگیوں کے سارے فیصلے ہم سے کرواتا ہے۔ وہی ہمیں خوشی دیتا ہے' وہی غم دیتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہمارے دل کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔''

غلام نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور پھر سے کھانا کھانا شروع کیا۔ مگر فاتح نے ہمت نہیں ہاری۔

''ہمارے رسول اللہ ﷺ کسی انسان سے نہیں ڈرتے تھے۔ ہر انسان کو برابری کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ اللہ نے ان کے سارے خوف دور کر دیے تھے۔ یہ مشکل نہیں ہے۔ تم لوگ بھی اپنے خوف دور کر سکتے ہو۔ تم سب اچھے گھروں کے لوگ ہو جو اغوا کر کے جبراً ابوالخیر یا اس جیسے لوگوں کے غلام بنائے گئے ہو۔ اپنے مالکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا سیکھو' ملاکہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ نہیں پسند جو مظلوم بن کے ظلم کے سامنے پستے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو بھلے امیر ہوں یا غریب' خوبصورت ہوں یا بدصورت' مگر وہ صرف اللہ سے ڈریں اور درست چیز کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ اللہ کو کوشش کرنے والے پسند ہیں۔ کیا تم لوگ اپنے لئے کوشش کرنے والے نہیں بننا چاہتے؟''

غلام اب تیز تیز لقمے لے رہا تھا۔ گردنیں واپس مڑتی گئیں۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔ سب کی توجہ کھانے کی طرف مبذول ہوتی گئی۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک میز سے دوسری میز تک امید بھری نظریں دوڑائیں مگر اس کی نگاہ خالی پلٹ آئی۔ کسی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے تو کسی نے خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور کے منہ موڑ لیا تھا۔ سب واپس مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ تو مارے خوف کے باہر نکل گئے تھے۔

فاتح نے گہری سانس لی اور اداسی سے ان لوگوں کو دیکھا جو جلدی جلدی کھانا ختم کر رہے تھے۔ مالک کا خوف ہر شے پہ حاوی تھا۔

☆......☆......☆

'سلطنت محل' لکڑی کا بنا خوبصورت محل تھا جس کے مغربی کونے میں بڑا سا کتب خانہ سا بنا تھا۔ اس شاہی کتب خانے کے اندر وسیع و عریض ہال سا بنا تھا جس میں قطار در قطار ریک رکھے تھے اور ان کے اندر کتابیں سجی تھیں۔

ایڈم ایک ریک کے سامنے سے کھڑا کتاب اٹھا کے اسے کھولتا نظر آ رہا تھا۔ دو کتابیں بغل میں دبی تھیں۔

سلطنت محل کا کتب خانہ بنداہارا مراد کے محل سے کہیں زیادہ وسیع اور علمی خزانے سے مالا مال تھا۔ (سلطنت محل وہ محل تھا جس میں سلطان مرسل اور ملکہ یان سوفو رہائش پذیر تھے۔ مراد اور تالیہ کا محل اس سے دور سمندر کنارے اونچی پہاڑ پہ واقع تھا۔)

ایڈم نے کتاب بند کر کے ریک میں رکھی تو چونکا۔ اوپری خانے کے کونے میں قطار میں چار کتابیں رکھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایک ہی سیریز کی کتابوں کی چار جلدیں تھیں۔ جلد اول' جلد دوم' جلد سوم' جلد پنجم۔ اس نے چاروں کے سرورق پڑھے۔ جلد چہارم نہیں تھی۔ درمیان کی جگہ بھی خالی تھی۔ جلد چہارم کس نے اٹھائی اور کہاں گئی؟

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پہریدار اس طرف نہیں تھے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جلد اول نکالی اور اسے کھولا۔ اندرونی سرورق دیکھ کے وہ ٹھٹکا۔

وہ ملاکہ کے مختلف نامور جزیروں کے نقشوں' جغرافیہ اور وہاں کے سفرنامے کی کتاب تھی۔ بنیادی طور پہ وہ دس برس پہلے لکھے جانے والا ایک سفرنامہ تھا۔ جلد اول کے پہلے صفحے پہ فہرست تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر جلد میں کون کون سے مضامین شامل ہیں۔ وہ انگلی صفحے پہ پھیرتا نیچے آیا۔

جلد چہارم۔ ''تین چاند والے جزیرے کا دلچسپ احوال۔''

جو جلد غائب تھی' اس میں تین چاند والے جزیرے کا احوال لکھا تھا؟ یا خدا!

ایڈم نے جلدی سے کتاب بند کی اور واپس رکھی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے تھے۔ وہ تیزی سے آگے آیا اور متلاشی نظروں سے ایک کے بعد ایک ریک دیکھنے لگا۔ وہ جامنی رنگ کے سرورق والی کتابیں تھیں' یہ رنگ خاصا نمایاں نظر آتا تھا۔

اور پھر اسے وہ رنگ نظر آ گیا۔

کونے میں رکھی شیشے کے پٹ والی قدیم الماری میں ''جلد چہارم'' رکھی تھی.... ایڈم کے اندر جوش سا بھر گیا۔ فوراً سے الماری کا دروازہ کھینچا مگر وہ بند رہا۔ اس نے چونک کے دیکھا۔ کنڈے پہ یہ بڑا سا تالہ چڑھا تھا۔

''تم کیا کر رہے ہو یہاں؟'' پیچھے سے پہریدار غراتا ہوا آیا تو وہ چونک کے مڑا۔

''میں .... یہ کتابیں نکالنا چاہ رہا تھا اور .....''

''ہر کتاب پڑھنے کے لائق نہیں ہوتی۔'' وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔ میان میں چمکتی تلوار اور جسم پہ پہنا آہنی لباس... وہ لحیم شحیم سا پہریدار خاصا خوفناک تھا۔

''مگر میں مورخ ہوں اور مجھے....''

''یہ بنداہارا کا محل نہیں ہے' یہ سلطنت محل ہے۔ یہاں تمہاری شہزادی کا حکم نہیں چلتا۔ یہاں سلطنت کے قوانین نافذ ہیں۔ یہ ممنوعہ

کتب ہیں۔شکل گم کروا پنی ورنہ۔'' تلوار پہ ہاتھ رکھا تو ایڈم نے جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھائے۔بغل میں دبائی کتابیں نیچے جا گریں۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔وہ کیا ہے کہ نظر کمزور ہے میری۔'' کہتے ہوئے جھکا اور جلدی جلدی کتابیں سمیٹنے لگا۔''اور تھوڑا سا دماغ بھی کمزور ہے۔بات دیر سے سمجھ آتی ہے۔خیر تم میری شکایت نہ کرنا۔'' کتابیں سنبھالتا اٹھا اور زبردستی مسکرا کے اسے دیکھا جو ہنوز شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''جا رہا ہوں۔جا رہا ہوں۔'' معصومیت سے مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔مگر کنکھیوں سے اس نے الماری کے اندر رکھی دوسری کتابوں کے سرورق پہ نظر ضرور ڈالی تھی۔

پمبورو....شکار باز....تین چار کتابوں کی جلدوں پہ یہ لفظ اسے واضح لکھا دکھائی دیا تھا۔

ان کتابوں کو یقیناً مراد راجہ کے حکم پہ عام عوام کی پہنچ سے دور رکھا گیا تھا۔اب وہ کیا کرے؟

☆......☆......☆

شہزادی تاشہ کے کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور سورج کی خالص' تازہ کرنیں اندر سارے کو روشن کیے ہوئے تھیں۔وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی' آئینے میں خود کو دیکھتی' گالوں پہ گلابی سا غازہ ہلکا ہلکا مل رہی تھی جو کھلی ڈبی میں سامنے رکھا تھا۔پھر اسی کو ہونٹوں پہ لگا کے ہونٹ آپس میں مس کیے۔

لباس زمرد رنگ کا تھا۔لمبی قمیص اور نیچے لہنگا سا۔(اسے باجو کرنگ کہتے تھے۔) تاج میز پہ رکھا تھا' اور بال گھنگریالے کر رکھے تھے۔سنگھار سے مطمئن ہو کے اس نے چوڑیاں اٹھائی ہی تھیں کہ دروازے کھلے۔دربان نے صدا لگائی۔

''مراد راجہ تشریف لا رہے ہیں۔''

وہ چوڑیاں اٹھائے تیزی سے کھڑی ہوئی۔اسی اثناء میں مراد اندر داخل ہوا۔کمر پہ ہاتھ باندھے' ماتھے پہ سرخ پٹی' اور اپنی لمبی شاہی قبا پہنے ہوئے تھا۔سینے پہ لوہے کی زرہ بھی پہن رکھی تھی۔غالباً شکار پہ جا رہا تھا یا واپس آ رہا تھا۔آتے ساتھ ہی اسے ابرو کے اشارے سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''راجہ....آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' وہ احتیاط سے بولی۔وہ ایسے کھڑی تھی کہ آئینے کی طرف اس کی کمر تھی۔اور راجہ کھڑکی میں سورج کی روشنی کے سامنے کھڑا تھا۔روشنی کا راستہ رک گیا تھا

''ملاکہ سلطنت کا بنداہارا شاہی شادی کا نگران ہوتا ہے' تم جانتی ہو۔'' آنکھیں چندھیا کے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں بولا۔''سلطان مرسل کی شادی میں نے ہی کروائی تھی۔''

''جی' راجہ۔تب آپ اور ملکہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔پمبورو شکار بازوں کا سارا گاؤں تباہ کیا تھا آپ لوگوں نے اور مجھے اس

اَن دیکھی چینی شہزادی سے نفرت محسوس ہوتی تھی۔ عجیب بات ہے کہ اب آپ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور میں ملکہ یان سوفو کے ساتھ ہوں۔ شاید اسی کو سیاست کہتے ہیں۔'' وہ چوڑیاں کلائی میں ڈالنے لگی۔ ایک۔ دو۔

''سلطان مرسل تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

تالیہ نے زور سے چوڑی کلائی پہ آگے کو دھکیلی تو وہ جلد کے ساتھ رگڑتی گئی۔ اس کا سانس تھم گیا۔

''بنداہارا کی بیٹی اور ملاکہ سلطنت کے سلطان کا ملاپ ہمارے ملک کا پرانا رواج ہے۔ اکثر سلاطین کی شادیاں بنداہارا کی بیٹیوں سے ہوئی ہیں۔ حیرت ہے مجھے یہ خیال خود کیوں نہیں آیا۔ وقت کا شکریہ جس نے تمہیں بہت جلد ایک مکمل شہزادی کے روپ میں مجھے واپس کر دیا۔'' وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ چھوٹی عقابی نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں جو سفید پڑنے لگا تھا۔

''تم واپس جانے کا ہر خیال ذہن سے نکال دو۔ قسمت تم پہ مہربان ہو رہی ہے تاشہ۔ اگر تم سمجھداری سے کام لو تو ہم اس چینی عورت کو ملاکہ سے نکال دیں گے۔ تم ملکہ ہو گی اور میں بنداہارا۔ مرسل شاہ صرف ایک کٹھ پتلی ہو گا۔ میں اس نئے بندھن پہ بہت خوش ہوں۔ اور تمہیں نصیحت کرنے آیا ہوں کہ تم بھی خوش رہنا۔ کیونکہ....'' انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی تو لہجے اور آنکھوں دونوں میں سختی در آئی۔

''میں .....کوئی گڑبڑ.... برداشت نہیں کروں گا۔ اب یہ میری اور میری قوم کی عزت کا سوال ہے۔''

وہ یک ٹک کھڑی اسے دیکھے گئی۔ ہاتھ بے جان سے ہو کے پہلو میں جا گرے تو چوڑیاں کھنک اٹھیں۔ مراد راجہ جو کھڑکی سے آتی روشنی کے ہالے میں کھڑا تھا' ایک بے تاثر نظر اس پہ ڈالتا' باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے گم صم نگاہیں موڑ کے سنگھار میز پہ رکھے سنہری تاج کو دیکھا جس میں جڑے ہیرے دمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

کون کہتا تھا کہ شہزادی ہونا آسان ہے؟

☆......☆......☆

سلطنت محل کا باغیچہ میلوں دور تک پھیلا دکھائی دیتا تھا۔ درمیان میں سفید روش بنی تھی جس پہ شہزادی تاشہ چلتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ عقب میں کنیزوں کا غول تھا۔ خود وہ پھیکی پھیکی سی لگتی تھی۔ گم صم سی۔ جیسے ہوا میں قدم رکھ رہی ہو۔ سامنے سے ایڈم آ رہا تھا۔ کتابیں بغل میں دبا رکھی تھیں۔ اسے دیکھ کے رفتار آہستہ کی اور سر جھکا لیا۔ اس روز کی تلخی ابھی تک یاد تھی۔

تالیہ نے کنیزوں کو اشارہ کیا تو وہ وہیں رک گئی۔ وہ خود بے جان سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ رکی۔

''تم یہاں کیسے؟''

''آقا نے کہا تھا کہ مجھے شاہی کتب خانے سے فیض اٹھانا چاہیے۔ اس لیے یہاں آیا تھا۔'' ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔

''میرے لائق کوئی خدمت' شہزادی؟''

''میں صرف تمہاری شہزادی نہیں ہوں' ایڈم۔ یہ مت سمجھو کہ مجھے تاج اور تخت کا غرور آ گیا ہے۔''

''واقعی یہ نہ سمجھوں؟'' اس نے شکایتی نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔

''ہاں' طاقت اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن میں اور تم ایک برابر ہیں' ایڈم۔ ہم دونوں ہی یہاں قیدی ہیں۔ مجھ پہ بھروسہ کرو اور حکم مان لیا کرو۔'' کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی۔ ایڈم کی ساری کلفت اور ناراضی جیسے دور سی ہوگئی۔ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

''اچھا سنیے۔ اس محل کے کتب خانے میں کچھ کتابیں تالے میں رکھی گئی ہیں۔ مجھے وہ چاہییں ہیں۔ ان میں تین چاند والے جزیرے کا راز چھپا ہے۔''

''میں ملکہ سے ملنے آئی ہوں' مجھے تنگ مت کرو ابھی۔'' وہ کسی قسم کی تلخی کے بغیر تکان سے بولی۔ اور سامنے دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتی گئی۔ ایڈم نے قدرے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''اس سے اچھے تو ہم کے ایل میں تھے' چے تالیہ۔ وہاں ہم برابر تھے۔ یہاں نہیں۔ بلکہ خیر... برابر کے تو وہاں بھی نہیں تھے۔ میں ٹھہرا ایک شریف' قانون کی پاسداری کرنے والا آدمی۔ اور آپ ٹھہری ایک لالچی خاتون جن کی زندگی کے سارے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے تھے۔''

وہ ایک دم رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم کی زبان کو بریک لگا۔ ذرا سا گڑبڑایا۔ رعب حسن اور شاہزادیوں والی جاہ۔ اسے ڈر لگا کہ کہیں دوبارہ اس روز کی طرح.....

''بالکل....واقعی!'' وہ چونک کے بولی۔ ''یہی تو ہوں میں۔ ایک لالچی عورت جس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد خزانے کی کھوج تھا۔ ویری گڈ!'' اور دوبارہ سے چلنے لگی۔ ایڈم کے ابرو حیرت سے سکڑے۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟ میرے دائیں ہاتھ کو آج بری نظر سے نہیں دیکھا آپ نے۔''

''مراد راجہ میری سلطان سے شادی کی تیاری کر رہا ہے۔ اس وقت میرا موڈ اچھا نہیں ہے' ایڈم۔''

''اوہ۔'' وہ چپ ہو گیا۔ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر ایڈم نے اسے امید دلانے کی کوشش کی۔

اگر آپ مجھے وہ کتابیں نکلوا کے دے دیں تو میں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈتا ہوں۔ میں کسی صورت آپ کو ان رسم و رواج کے اوپر قربان نہیں ہونے دوں گا۔'' ذرا جذباتی ہو گیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے ایک نظر ایڈم کو دیکھا۔ کرتے پاجامے اور واسکٹ میں ملبوس' سر پہ ٹوپی پہنے' وہ اچھا لگ رہا تھا۔ تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

''تمہاری تو خواہش تھی نا مجھے پولیس سے گرفتار کروا کے قید میں ڈلوانے کی۔ تو اس قید پہ خفا کیوں ہوتے ہو؟''

''وہ نیک کام تو میں اپنے ہاتھوں سے سرانجام دوں گا' مگر یہاں کسی صورت بھی میں آپ کو اس سب کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔''

وہ واقعی دبے دبے غصے میں آیا نظر آتا تھا۔

''تھینک یو ایڈم۔''

''ظاہر ہے چے تالیہ۔ مانا کہ آپ انتہائی فراڈ اور بے وفا انسان ہیں' سوائے دولت کے آپ کسی کے ساتھ وفاداری نہیں نبھاتیں' مگر ہم اس سب میں ساتھ ہی آئے تھے' اور ساتھ ہی جائیں گے۔''

''ایڈم!'' وہ برا مانے بنا چونک کے بولی۔ ''میں بتانا ہی بھول گئی... میں نے اس روز خواب دیکھا کہ.... میں کے ایل میں ہوں۔ ایک آفس میں۔ نئے دور میں۔''

''اس میں کیا بڑی بات ہے؟ میں روز خواب دیکھتا ہوں کہ میں کے ایل میں ہوں اور میری شادی ہو رہی ہے۔''

''نہیں ایڈم۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے سرخ یاقوت والی انگوٹھی دکھائی۔ ''یہ انگوٹھی میں نے اس خواب میں پہن رکھی تھی۔ یہ انگوٹھی! اور اس کا مطلب ہے..... وہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔ یعنی کہ ہم واپس جائیں گے' ایڈم!'' وہ پہلی دفعہ دل سے مسکرائی۔ ایڈم کے لب بھی خوشگوار مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہم؟ کیا اس خواب میں' میں بھی تھا؟ اور وان فاتح بھی؟''

تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''کتابیں... تمہیں مقفل الماری کی کتابیں چاہیے ہیں نا' میں کچھ کرتی ہوں' اچھا۔'' اور مڑ کے کنیزوں کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً سے اس طرف لپکیں۔ تالیہ اس سے نظر ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو جاتے دیکھنے لگا۔

''کیا ہم اس خواب میں نہیں تھے' چے تالیہ؟ کیا ہم واپس نہیں جائیں گے؟'' اس نے زیرِ لب کہا مگر وہ اَن سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا۔

ملکہ یان سوفو سبزہ زار پہ بنی اس اونچی بارہ دری میں بیٹھی تھی کس کے اوپر چھتری نما کنیو پی بنی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ گال تلے انگلی رکھے بیٹھی' گردن موڑ کے سبزے کو دیکھ رہی تھی۔ نیچے سبز ٹیلوں پہ گھاس اور پھول اگے دکھائی دے رہے تھے۔ درمیان میں ایک مصنوعی صاف پانی کا نالہ بھی بہہ رہا تھا۔

دفعتاً اس نالے کے ساتھ گھاس پہ شہزادی تاشہ چلتی دکھائی دی۔ اس کی رنگت قدرے بجھی بجھی سی لگتی تھی۔ کنیزوں کو اس نے وہیں چھوڑ دیا اور خود کینو پی کی طرف آئی۔ لکڑی کے زینے چڑھے اور اوپر ملکہ کے سامنے آ کے سر جھکایا۔

''ملکہ عالیہ۔ آپ نے یاد فرمایا تھا۔'' پھر سیدھی ہوئی۔

''شہزادی تاشہ!'' یان سوفو نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے ابرو سے سامنے اشارہ کیا۔ ''بیٹھیے۔''

تالیہ سامنے لکڑی کے بینچ پہ بیٹھ گئی۔ زمرد لباس اردگرد پھول کی طرح پھیلتا گیا۔ گود میں رکھی انگلیاں باہم پھنسا رکھی تھیں۔

''تجویز کیسی لگی؟''

''کون سی تجویز؟'' وہ چونکی۔

''قرضے کی۔ اتنی جلدی بھول گئیں آپ؟'' ملکہ نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا تو اس کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''سچ کہوں تو پریشان ہوں کہ ملاکہ یہ قرضہ کیسے اتار پائے گا۔'' وہ فکرمندی سے کہنے لگی۔ ''قرضہ ہر سال بڑھتا جائے گا۔ جب تک امیر لوگ خراج اور محصول نہیں ادا کریں گے، ہم اس قرض کو اتار نہیں سکیں گے۔ اور....''

''سلطان کی بیوی بننے کے بارے میں آپ نے مجھے کب بتانا تھا' شہزادی صاحبہ؟'' وہ مسکراتے ہوئے ایک دم سے بولی تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ لمحے بھر کو وہ چپ ہوئی۔

''مجھے خود مراد راجہ نے ابھی یہاں آتے وقت اطلاع دی ہے' ملکہ۔ میں بھی اتنی ہی پریشان ہوں جتنی کہ آپ۔''

''کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں۔'' مسکراتے ہوئے یان سوفو نے سر جھٹکا۔ ''آقا نے جلد یا بدیر کسی خاتون کو اپنے نکاح میں لینا ہی تھا۔ یہ تو ازل سے طے تھا۔''

تالیہ نے سر جھکا لیا اور گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ ''میں جلد از جلد یہاں سے جانے کی کوشش کرتی ہوں' تاکہ....''

''اور اگر نہ جا سکیں' تو؟ سلطان کو کیسے روک پاؤ گی؟'' ملکہ کہنی کرسی کے ہتھ پہ جمائے' انگلی گال تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تالیہ نے شکوہ کناں نظر اٹھائی۔

''کوئی حل نکال ہی لوں گی۔ تال (رک کے تصحیح کی) تاشہ کے پاس منصوبہ ہمیشہ ہوتا ہے۔''

''وہ آدمی کہاں ہے؟ وہ جو اپنے شہر میں تمہارا محبوب تھا؟''

جھرنے کے اندر جیسے کسی نے زور سے پتھر پھینکا تھا۔ سوال بے حد غیر متوقع تھا۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوئی۔ ''وہ....!''

''اسی شہر میں ہے کیا؟ اکٹھے آئے تھے تم دونوں یا تمہارے پیچھے آیا ہے؟ وانگ لی کا کہنا ہے کہ اس کے ایک غلام سے ملنے تم اور تمہارا مورخ اس کے قہوہ خانے میں گئے تھے۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ کیا وہی ہے وہ شخص؟''

''آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں' ملکہ۔'' آواز دھیمی رکھی۔

''بہت خوب۔'' ملکہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور باوقار انداز میں اپنی قبا کو جھٹکا۔ ''مجھے ملوا سکتی ہو اس سے آج ہی؟''

تالیہ مراد کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ ''جی؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سن باؤ تائی ژان کی سرخ حویلی پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ مغرب ڈھل چکی تھی اور کھلے صحن سے آسمان پہ دمکتے تارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ برآمدے میں قندیلیں جلی تھیں اور آرام کرسی پہ بیٹھا فربہ سا وانگ لی ٹانگوں پہ کمبل ڈالے کتاب پڑھنے میں مشغول تھا۔

سامنے صحن چاند کی روشنی میں نہایا ہوا تھا اور کنویں پہ جھکا فاتح دکھائی دے رہا تھا۔ کرتے پاجامے میں ملبوس، ماتھے پہ سبز پٹی باندھے، وہ جھک کے ڈول اوپر کھینچ رہا تھا جب دروازہ بجا۔

وانگ لی نے کتاب بند کر کے اچنبھے سے دروازے کو دیکھا۔ ''اس وقت کون آ گیا؟''

''میں دیکھتا ہوں، مالک۔'' فاتح نے ڈول اوپر نکالا اور زمین پہ رکھا تو پانی چھلک کے اس کے پیروں پہ گرا۔ ہاتھ بھی گیلے ہو گئے۔ وہ کرتے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے برآمدے میں آیا اور راہداری میں چلتا گیا۔ سن باؤ کی حویلی کا دروازہ کمروں کے اس طرف سے کھلتا تھا، نہ کہ صحن سے۔

فاتح نے سرخ لکڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔ سامنے کچی زمین پہ ایک بگھی کھڑی تھی جس کے ساتھ صرف تین سپاہی تھے مگر وہ شاہی سپاہی تھے۔ وہ چونکا۔

دفعتاً بگھی کا دروازہ کھلا اور نسوانی پیر نیچے زمین پہ اترا۔ پھر وہ پوری باہر نکلی۔ بھورے چغے میں ملبوس، زیور اور سنگھار سے پاک چہرہ لئے وہ سیدھی سامنے کھڑی ہوئی تو فاتح کا سر ذرا جھک گیا۔

''ملکہ عالیہ!''

مگر ملکہ اکیلی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد سن باؤ کے برآمدے میں جلتی قندیلوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ دیوار کے ساتھ جہاں قالین بچھا تھا اور تکیے لگے تھے، وہاں فرشی میز کے گرد ایک طرف یان سوفو اور تالیہ بیٹھی تھی، دوسری طرف وانگ لی مودب سا بیٹھا تھا۔ کونے میں کھڑا فاتح دیوار پہ لگی مشعل جلا رہا تھا۔

''میرے غریب خانے کو آپ نے رونق بخشی، ملکہ۔''

''سنا ہے اپنے قہوہ خانے میں ملاکہ کے روسا سے بڑی جرات مندانہ باتیں کہنے لگ گئے ہو، وانگ لی!'' چغے کی ٹوپی کے ہالے میں ملکہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ تالیہ جو کنکھیوں سے مشعل جلاتے غلام کو دیکھ رہی تھی، فوراً چونکی۔

''وہ وانگ لی کے الفاظ نہیں تھے۔ وہ ان کے غلام کے الفاظ تھے۔ غلام کو مراد راجہ کے عتاب سے بچانے کے لئے میں نے کتاب میں تبدیلی کروائی تھی۔''

وانگ لی جو شکریہ کہنے ہی والا تھا، قدرے کھسیانہ ہو گیا۔

ملکہ نے نظروں کا رخ موڑا۔وہ مشعل جلا کے اب سنجیدگی سے رسوئی کی طرف جا رہا تھا۔

''میں تمہارے اس غلام سے ملنے آئی ہوں' وانگ لی۔''

وان فاتح کے قدم زنجیر ہوئے۔چونک کے مڑا۔

''تم میرے سامنے بیٹھو اور وانگ لی...تم میرے لئے چینی قہوہ تیار کرو گے۔ملاکہ کے کڑوے قہوے پی پی کے اللہ کی قسم میرا گلا اندر تک چھل گیا ہے۔''

نخوت سے بولی تو وانگ لی نے جھٹ سر جھکایا۔''جو حکم' ملکہ!'' وہ شاہ چین کا وفادار غلام تھا۔فوراً سے اٹھ گیا۔

فاتح سامنے آ کے خاموشی سے بیٹھا تو ملکہ یان سوفوذرا سا مسکرائی۔(تالیہ مضطرب سی باری باری دونوں کو دیکھتی تھی۔)

''مجھے یہاں دیکھ کے حیران ہو رہے ہو'وانگ لی کے غلام!''

میز کے دوسری طرف زمین پہ وہ دوزانو بیٹھا تھا۔ہاتھ گود میں اور چہرہ سپاٹ تھا۔نگاہ نہیں جھکائی۔ملکہ کو دیکھتے ہوئے سادگی سے بولا۔''میرا نام 'وانگ لی کا غلام' نہیں ہے۔وہ میرا مقام ہے۔نام 'فاتح بن رامزل' ہے۔ہر انسان کا حق ہوتا ہے کہ اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔''

''مگر میری نظر میں تو تم صرف ایک غلام ہو!''

''پھر آپ کو اپنی نظر پہ صرفِ نظر کرنے کی ضرورت ہے ملکہ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو عزت بخشی ہے۔ہر انسان مکرم ہوتا ہے اور اس کی عزت کرنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ آدم کی اولاد ہے۔''

''تو اے غلام فاتح بن رامزل...'' وہ کہنیاں چھوٹی میز پہ رکھے آگے ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''اس بات سے واقف تو ہو گے کہ ''تمہاری'' شہزادی تاشہ کی شادی سلطان مرسل سے کی جا رہی ہے۔''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔صورتِ حال عجیب سی ہو گئی تھی۔

''جی ملکہ۔واقف ہوں۔''اس نے تالیہ کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

''تو تاشہ کو اس مصیبت سے نکالنے کے لئے کیا کیا ہے تم نے؟ میری اطلاع کے مطابق تم تاشہ کے گاؤں سے ہو اور اس کے ساتھ آئے ہو۔''

فاتح نے اب کے تالیہ کو دیکھا۔اس نے بھی نظریں اٹھائیں۔وہ جیسے سمجھنا چاہ رہا تھا کہ ملکہ کیا جانتی ہے اور کیا نہیں۔

''میں اس چیز کی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا۔میں شہزادی کو جلد واپس لے جاؤں گا۔واپس لے جانے کا وعدہ میں نے عرصے سے ان سے لے رکھا ہے۔''

''اور اگر....'' ملکہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آگے کو جھکی۔ ''اگر تم کبھی واپس نہ جا سکے تو' اس شادی کو کیسے روک سکو گے۔''

''ہم واپس جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔''

''اور اگر نہ جا سکو' غلام فاتح؟ بولو۔ جواب دو۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے نظریں ملکہ پہ جمائے رکھیں۔

''شہزادی تاشہ اپنے بابا کو انکار کر دیں گی اور اس چیز کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''شہزادیوں کے انکار کوئی نہیں سنتا' غلام فاتح۔'' وہ تلخی سے بولی۔ نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔ ''بنداہارا اس رشتے سے خوش ہے۔ وہ جبراً یہ شادی کروا دے گا۔ اور سلطان مرسل .... وہ انکار کی صورت میں بنداہارا کے محل پہ چڑھائی کروا دے گا۔ عورت کے نام پہ پہلے بھی بہت سی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔''

''ملکہ... اگر آپ خود یہاں آئی ہیں تو یقیناً اس مسئلے کا کوئی حل بھی سوچ کے آئی ہوں گی۔''

ملکہ نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہو کے مسکرائی۔ ''جانتے ہو ملاکہ کے سلطان سے شادی کرنے والی عورتوں میں کون سی قدر مشترک ہونی چاہیے؟ چاہے وہ امیر ہو یا غریب' بدصورت ہو یا حسین' شاہ چین کی بیٹی ہو یا ایک جنگی قیدی کنیز۔ ان سب کا ایک شرط پہ اترنا لازم ہے!''

تالیہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''اور وہ کیا ہے' ملکہ؟'' وہ سمجھ رہا تھا۔

''سلطان کی دلہن غیر شادی شدہ ہونی چاہیے۔ نہ وہ پہلے کسی کی کنیز رہی ہو نہ بیوی۔''

لمحے بھر کو سرخ حویلی میں سناٹا چھا گیا۔ پھر صحن میں اگے بوڑھے درخت کے پتے ہوا سے جھنجھنائے اور قندیلوں کے شعلے پھڑ پھڑائے۔ عجیب پراسرار سا ماحول بن گیا تھا۔

فاتح ملکہ کی آنکھوں میں دیکھتا آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسا کے میز پہ رکھے۔

''تو آپ چاہتی ہیں کہ میں شہزادی تاشہ سے شادی کر لوں؟''

الفاظ تھے یا کیا.... تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ناخن ہتھیلی میں پیوست کر لیے۔

ملکہ بھی اسی کے انداز میں آگے کو جھکی۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا سلطان مرسل سے تاشہ کو بچانے کے لئے تم اس سے شادی کرو گے؟''

''ملکہ عالیہ!'' وہ ذرا سا مسکرایا۔ ''میں اس شہر میں ایک غلام ہوں' جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ مگر اپنے شہر میں

.....میں حاکموں میں سے ایک تھا۔ اور میرے جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگے بغیر فیصلے نہیں کیا کرتے۔''

تالیہ کی ہتھیلی ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ بس ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ نہ وہ حیران ہوا تھا' نہ چونکا تھا۔ وہ شاید تیار تھا۔ کیا اس کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے؟

ملکہ کو البتہ اچنبھا سا ہوا۔ اسے اس ردِعمل کی توقع نہ تھی۔

''میں تم سے پوچھ رہی ہوں' تم تاشہ بنتِ مراد سے شادی کرو گے؟''

''اور میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ مجھے بدلے میں کیا ملے گا؟''

''میرے سوال کا جواب دو غلام۔ تم تاشہ سے نکاح کر کے قاضی وقت کو گواہ بنا کر مراد اور سلطان کے سامنے جا کے یہ کہہ سکو گے کہ تم تاشہ کے شوہر ہو؟''

''ایک بحری جہاز' چند سپاہی۔ اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی۔ کیا یہ دیں گی آپ مجھے؟'' وہ ابھی تک سرد سا مسکرا رہا تھا۔ ملکہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

''میں غلاموں سے بھاؤ تاؤ نہیں کرتی!''

''بہت سی چیزیں پہلی دفعہ کرنی پڑتی ہیں ملکہ عالیہ۔ آپ کے اوپر سلطان صرف ایک سوکن نہیں لا رہا۔ وہ ملاکہ کی نئی ملکہ لا رہا ہے۔ ایک بحری جہاز' چند سپاہی اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی دلوا دیں مجھے۔ میں تاشہ سے شادی کر کے آپ کے تخت و تاج کو بٹوارے سے بچا لوں گا۔ میرے علاوہ آپ کو ملاکہ میں کوئی مرد ایسا نہیں ملے گا جو سلطان سے منسوب لڑکی سے شادی کرنے کی جراءت کر سکے۔''

ملکہ لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔ ''کیا راجہ مراد کے سامنے اس کی بیٹی کو بیوی کہنے کی ہمت رکھتے ہو؟ کیا سلطان کو یہ بتا سکتے ہو کہ اس سے منسوب شہزادی شادی شدہ ہے؟''

وہ جواباً مزید آگے جھکا۔

''فاتح بن رامزل.... ایک آزاد انسان ہے.... اور وہ.... کسی سے.... نہیں ڈرتا!'' چبا چبا کے بولا۔

وہ سب کچھ خاموشی سے سنے جا رہی تھی۔ صحن میں اگے درخت کی ہلتی شاخیں اور برآمدے کی قندیلوں کے پھڑ پھڑاتے شعلے... اور وہ باتیں... اسے ہر چیز وحشت دلا رہی تھی۔ وہ اس سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

''ملکہ!'' وہ بولنے لگی... مگر ملکہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروا دیا۔

''تم نے مجھ سے وفاداری کی قسم کھائی تھی' تاشہ۔ اس لیے خاموش رہو۔ ویسے بھی تمہیں اس آدمی سے شادی کرنی تھی نا' تم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو... تو وہ شادی میں کروائے دیتی ہوں۔ میں صبح اعلیٰ عدالت کے ایک چینی قاضی کو بلواتی ہوں۔

ان کے سامنے تم اس غلام سے شادی کرو گی۔ اور پھر یہ آزاد انسان بن جائے گا۔ اگر تم مجھ سے وفادار ہو اور واقعی ملکہ نہیں بنا چاہتیں تو تمہارے پاس دوسرا راستہ نہیں ہے۔" ملکہ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ اس وقت متضاد کیفیات کے زیرِ اثر تھی۔

تالیہ کا حلق خشک ہو گیا۔ صحن کی تاریکی اور اوپر چمکتے تارے... ان سب کا سناٹا اس کے اندر اترنے لگا۔ وہ بار بار لب کھولتی' مگر الفاظ جیسے ختم ہو گئے تھے۔ پھر اس نے سر جھکا دیا۔ "مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں' ملکہ۔ آپ ہماری واپس جانے میں مدد کریں گی۔ جواب میں میں اور فاتح (اس کی طرف دیکھا بھی نہیں) وہی کریں گے جو آپ کہیں گی۔"

یان سوفو کا چہرہ ایک دم شانت ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"وانگ لی صبح قاضی کو لے آئے گا' اور اس کے سامنے یہ نکاح ہو گا۔"

"صبح!" فاتح نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔ "اتنی جلدی کیا ہے' ملکہ؟ ابھی تو شادی میں کئی دن پڑے ہیں۔"

"سنو فاتح بن رامزل!" وہ تیز لہجے میں پھنکاری۔ "میں شاہِ چین کی بیٹی ہوں۔ قیافہ شناسی کے علوم سے آراستہ کر کے بھیجا تھا مجھے میرے بابا نے۔ چہرہ دیکھ کے سارا ماضی پڑھ لیتی ہوں اور بعض دفعہ مستقبل بھی۔"

"میرے چہرے پہ کیا نظر آتا ہے آپ کو' ملکہ؟"

یان سوفو استہزائیہ سا مسکرائی اور آگے کو جھکی۔

"سچے ہو اور ایماندار بھی۔ نڈر ہو اور بہادر بھی۔ مگر...." اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ چبا چبا کے بولی۔ "خود غرض ہو.... مفاد پرست اور سب سے بڑھ کے.... بے وفا مرد ہو تم۔ صرف خود سے محبت کرتے ہو اور طاقت کی خواہش رکھتے ہو۔ شہزادی کو تم سے سچی محبت ہے' (تالیہ کی نظریں فوراً جھکیں) مگر تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔ اس لئے تمہارا اعتبار نہیں ہے مجھے۔ صبح سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتی میں۔"

وہ چغہ سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ دونوں بھی ساتھ ہی اٹھے۔ وہ اس کے الفاظ پہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں' ملکہ۔ آپ نے میری زندگی نہیں گزاری۔"

ملکہ اس کو نظر انداز کیے تالیہ کی طرف گھومی جو بددل سی نظر آ رہی تھی۔

"تمہارا انتخاب اتنا متاثر کن نہیں تھا' تاشہ۔ عام حالات میں' میں تمہیں کبھی ایسے آدمی سے شادی کا مشورہ نہ دیتی جو صرف خود سے محبت کرتا ہو اور جسے وعدے نبھانے نہ آتے ہوں۔ یاد رکھنا' یہ آدمی کبھی وعدے پورے نہیں کر سکتا۔ مگر خیر...." اس نے شانے جھٹکے۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ شہزادیوں کی شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔"

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ "کیا آقا کو پسند آ جانے والی ہر لڑکی کی شادی کروا دیں گی آپ؟ کس کس کو آقا کے نکاح میں آنے سے روک پائیں گی آپ۔"

یان سوفو سکون سے اس کی طرف پلٹی اور گہری سانس لی۔" کیا تم بھول گئی ہو کہ میں وہ ملکہ ہوں جس نے تمہارا گاؤں الورسونگائی جلا کے راکھ کر دیا تھا۔ سارے شکار بازوں کو قید کروا لیا تھا۔ تمہیں اپنا وفادار سمجھتی ہوں اس لئے تمہارا نکاح کروا رہی ہوں۔ دوسری کوئی ہوتی تو اس کی گردن اتروا کے چوک میں لٹکا دیتی۔"

اور ایک نگاہ غلط ان دونوں پہ ڈال کے آگے بڑھ گئی۔

"قہوہ کل پیوں گی میں وانگ لی' ابھی میرے ساتھ باہر آؤ۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" بلند آواز سے رسوئی میں موجود وانگ لی کو کہا اور باہر نکل گئی۔ وہ بھی سب کام چھوڑ کے اس کے پیچھے لپکا۔

وہ دونوں چلے گئے تو سرخ حویلی کے سناٹے بڑھ گئے۔ وہ شکوہ کناں سی اس کی طرف گھومی۔

"اچھا بھاؤ تاؤ کر لیتے ہیں آپ۔" اس کے کان سرخ دہک رہے تھے اور گلا رندھنے لگا تھا۔

"یہ تمہیں ملکہ کے سامنے اپنے اور میرے بارے میں کہانیاں گھڑنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" وہ تیزی سے بولا' پھر گہری سانس لی۔" مگر خیر.... یہ کہانی سچ بتانے سے بہتر تھی۔ سچ پہ وہ یقین نہ کرتی۔ شہزادی کے لئے بننے والے غلام پہ کر لیتی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

تالیہ کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بدقت اس نے حواس پہ قابو پایا۔" ظاہر ہے.... میں کہانیاں گھڑنے میں ہی تو اچھی ہوں۔ یہ تو نہیں بتا سکتی تھی کہ خزانے کی تلاش میں ہم چھ سو سال پیچھے آئے ہیں۔ اس لئے یہی کہہ دیا کہ آپ اور میں...." سر جھٹکا۔ ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

"تم نے ٹھیک کیا۔ تم یہی کر سکتی تھیں۔"

"ملکہ کے سامنے راضی ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ایسا چاہتی ہوں۔" وہ تیزی سے بولی۔" ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ الورسونگائی چلے جائیں گے یا کہیں اور لیکن...."

"تالیہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں مراد راجہ سے وہ چابی حاصل کرنی ہے اور اس کے لیے ہمیں مراد کو اپنی بات ماننے پہ مجبور کرنا ہے۔ ہمیں وہی کرنا ہو گا جو ملکہ کہہ رہی ہے۔ اور سنو.... مجھ پہ بھروسہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تم دونوں کو نکال کے لے جاؤں گا یہاں سے تو مجھے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے جو بھی کرنا پڑے میں کروں گا۔ ملکہ میرے وعدوں سے واقف نہیں ہے۔"

"آپ شادی شدہ ہیں' تو انکو۔ آپ کے دو بچے ہیں۔ بیوی ہے۔ آپ اس دنیا میں غلام نہیں ہیں۔ آپ ملک کے اگلے وزیرِ اعظم ہیں۔

میں آپ سے کیسے شادی کر سکتی ہوں؟"

"شادی نہیں کرنی' لڑکی۔ صرف ایک کاغذ پہ دستخط کرنے ہیں جو ہمیں آزادی دلوا سکتا ہے۔ کس طرح.. یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ میں

تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ابھی تم ملکہ کی بات مان لو تو میں واپس جاتے ہی تمہیں آزاد کر دوں گا۔ کسی کو علم بھی نہیں ہوگا۔''

تالیہ کا دل ایک دم خالی ہو گیا۔ سارے خدشات' واہمے' خوف سب دم توڑ گئے۔ وہ بس اس کو تعجب اور ملال سے دیکھے گئی۔

''تو یہ کوئی اصلی شادی نہیں ہوگی۔ صرف.... صرف ایک پیپر میرج ہوگی۔ جو واپس جاتے ہی ختم ہو جائے گی۔''

''بالکل۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہونا ہے۔'' وہ اب دھیمے لہجے میں اس کو سمجھا رہا تھا۔ ''ہمیں ملکہ یا سلطان کا نہیں سوچنا۔ ہمیں صرف اپنا سوچنا ہے۔ ہمیں وہ کرنا ہے جو اس.... اس وقت کی قید سے نکلنے میں ہماری مدد کرے۔''

''اور اس شادی سے ملکہ کے راستے سے میں ہٹ جاؤں گی لیکن ''ہمیں'' کون سا فائدہ ہوگا؟ مراد راجہ آپ کی جان لے لے گا' تو انکو۔''

''میں نے کہا نا' میرے پاس پلان ہے۔ بھروسہ رکھو۔ یہ اسی طرح ہونا تھا۔''

''تو آپ نے تاریخ کی کتابوں میں یہ پڑھ رکھا تھا۔'' اسے اب سمجھ آیا تھا۔ ''اور پڑھا تو میں نے بھی تھا۔ شہزادی تاشہ کی شادی ایک غلام سے ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کیوں' مگر آپ جانتے ہیں... آپ صرف مجھے ایک سیاسی چال کے طور پہ استعمال کر رہے ہیں۔ ہے نا؟''

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے ڈھیلے پڑنے لگے۔ قسمت کے آگے بے بسی.... ان الفاظ کا مطلب آج سمجھ آیا تھا۔

''مجھے یہی کرنا آتا ہے تالیہ' اور جو ہمیں آتا ہے' وہ ہماری جان بچائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ملکہ کی بات مان لیتی ہوں۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے مگر...'' وہ ایک دم سپاٹ سی ہو چلی۔ ''ایک لمحے کے لئے بھی یہ مت سوچیے گا کہ ملکہ کو بتائی گئی اس کہانی میں کوئی صداقت تھی۔ (تھوک نگلا)۔ میں چاہوں گی کہ جیسے ہی یہ مسئلہ ختم ہو' آپ مجھے فوراً آزاد کر دیں اور عصرہ اور آپ کے بچوں کو بھی علم نہ ہو کہ ایسا کچھ ہوا تھا۔''

''میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شادی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' اور....''

''مجھے آپ سے کیا' کسی سے شادی کرنے میں دلچسپی نہیں ہے۔ ایک تجربہ بہت تھا۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے زندگی گزارنے کے لئے کسی جنگجو کا ساتھ نہیں چاہیے۔ میرے لئے میری اپنی تلوار ہی کافی ہے۔'' آخر میں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ خود بخود ختم ہو گئی۔ عجیب غصہ سا آنے لگا تھا۔

وان فاتح نے کندھے اچکا دیے۔ ''ظاہر ہے۔ میں یہ سب سمجھتا ہوں۔''

''بہت بہتر!'' وہ آگے بڑھی' پھر رکی۔ گردن موڑ کے چاندنی میں نہائے صحن کو دیکھا۔ نگاہ ٹھہری تو ٹھہر ہی گئی۔

وہی صحن۔ وہی کنواں۔ اور دوسرے کونے میں خالی جگہ۔ وہ خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ صحن میں قدم رکھا۔ ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے گر گئی اور سنہری بال نظر آنے لگے۔

وانگ لی واپس آیا تو کھنکھار کے اسے مخاطب کیا۔

"ملکہ رخصت ہو گئیں۔ آپ کے لیے دوسری بگھی روک رکھی ہے۔ کیا آپ قہوہ لیں گی ؟"

"نہیں شکریہ۔" اس کی بے خود نگاہیں اس صحن پہ جمی تھیں۔ عجیب سی پراسراریت تھی اس میں۔ جیسے سرخ اینٹوں تلے صدیوں پرانی داستانیں مدفن ہوں۔

"سن باؤ۔" وہ اسی کیفیت میں بولی۔ "یہ کونا خالی کیوں ہے؟ کیا آپ نے یہاں کچھ نہیں بنوایا۔"

"میں نے اس کو مجسمے سازی کے لئے چھوڑ رکھا تھا' شہزادی۔" وہ ہاتھ باندھے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"مجسمے کے لئے؟" وہ چونک کے اس کی طرف مڑی۔ "آپ اپنا مجسمہ بنوانا چاہتے ہیں۔"

"ایک زمانے میں بڑی خواہش تھی میری' شہزادی۔ مگر پھر وقت نہیں مل سکا۔ کیا آپ کو بھی مجسمہ سازی سے شغف ہے۔"

"جی.... میں.... تصاویر اور مجسمے بنا لیتی ہوں۔ تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"کیا آپ...." وہ جوش سے کہنے لگا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں' سن باؤ۔ میں مجسمہ بنا سکتی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کا مجسمہ بنانا چاہتی ہوں۔ میں تو یونہی ایک سوال پوچھ رہی تھی۔"

پھر فاتح کو دیکھا جو اس کے صاف انکار پہ ابرو اٹھا کے زیر لب بولا تھا۔ (سیریئسلی ؟)

"اتنے حیران مت ہو' غلام فاتح!" وہ چبا چبا کے بولی۔ "مجھے وانگ لی کا مجسمہ تراشنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شاید تمہیں لگا ہو کہ شہزادی تاشہ وانگ لی کا مجسمہ بنائے گی۔ یقین کرو' تمہیں غلط لگا ہے۔ کیونکہ میں.... کوئی مجسمہ بنانے.... یہاں نہیں آنا چاہتی۔" پھر وانگ کو دیکھا اور مسکرائی۔ "شب بخیر' سن باؤ۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

اور سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بن محمد جس وقت شہزادی تاشہ کے کمرے سے ملحقہ بیٹھک میں داخل ہوا وہ سن باؤ کے گھر سے رخصت ہونے والی پرسکون اور سپاٹ تاثر نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اڑی رنگت اور پریشان چہرے والی لڑکی لگ رہی تھی جو ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

"ایڈم!" اسے دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ ایڈم نے لاشعوری طور پہ اپنا 'دایاں ہاتھ' پیچھے کر لیا۔

"دیکھیں شہزادی' آپ کے جو بھی ارادے ہیں' میں بتائے دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کو اس کے ہاتھ سے محروم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور...."

"ملکہ چاہتی ہیں میں وان فاتح سے شادی کر لوں۔"

محل کے باہر ایک دم تیز ہوا چلی۔ کھڑکی میں رکھے چراغ کا شعلہ پھڑ پھڑایا۔

ایڈم بالکل ساکت رہ گیا۔ ہاتھ ڈھیلا سا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

''کیا مطلب؟'' الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

''مطلب میں ہی تو الجھی ہوں۔ اگر وان فاتح سے شادی نہ کی تو سلطان مرسل سے کرنی پڑے گی۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ اس سے پہلے مراد راجہ ہمیں چابی دے دے۔ اس لئے ملکہ نے....'' وہ پھر سے دائیں بائیں ٹہلنے لگی اور سارا قصہ سنا ڈالا۔ آخر تک ایڈم سنبھل چکا تھا اور چہرے کے زاویے بگڑ چکے تھے۔

''بہت خوب۔ اور آپ کے خیال میں جب سلطان کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ شادی شدہ ہیں تو وہ مسکرا کے کہیں گے ... بہت معذرت' محترمہ' میں نے ایسے ہی آپ کو زحمت دی۔ آپ پیا دیس سدھاریے' میں اپنے گھر کا راستہ ناپتا ہوں۔ جی نہیں چے تالیہ۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔ پتہ نہیں اسے غصہ کس بات پہ زیادہ آ رہا تھا۔ ''اس شادی پہ ایسی قیامت کھڑی ہو گی کہ الامان۔ راجہ مراد آپ کی اور فاتح صاحب دونوں کی جان لے لے گا۔''

''فاتح کا کہنا ہے کہ ان کے پاس پلان ہے۔ وہ راجہ کو قابو کر سکتے ہیں۔''

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''ان کے وعدے سیاسی وعدے نکلے تو؟''

''وہ چاہتے ہیں میں ان پہ بھروسہ کروں۔''

''اور آپ خود کیا چاہتی ہیں؟''

''میں.....'' وہ چونکی' پھر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا اور مسہری پہ بیٹھ گئی۔ ''میں رضا مندی دے چکی ہوں' اب میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''فرق پڑتا ہے' چے تالیہ۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کے بیٹھا اور امید سے بولا۔ ''اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو مجھے بتائیں۔ ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ یہ ملکہ تو بالکل اولڈ فیشن ہے۔ اس کے زمانے میں سوائے ممکنہ سوکن کو زہر دینے' الٹا ٹانگنے یا اس کو کسی اور کے ساتھ بھگا دینے کے کوئی حل نہیں ہوتا تھا۔ مگر ہم اسمارٹ زمانے کے اسمارٹ لوگ ہیں۔ بھلے آپ نے ملکہ کو جو بھی کہانی گھڑ کے سنائی ہو' اگر آپ.....''

''وہ کہانی نہیں تھی' ایڈم!'' اس نے تڑپ کے سر اٹھایا تو بکھرے بکھرے سنہرے بالوں کے ہالے میں زرد پڑتا چہرہ بے بس سا نظر آتا تھا۔ شاہی مورخ کے سارے الفاظ دم گھٹ کے مر گئے۔

وہ وقت کی طرح تھم گیا۔

''تو وہ سچ تھا؟'' اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ ''آپ ان کی محبت میں گرفتار ہیں؟ یہ فین گرل ہونے سے زیادہ

شدید ہے۔اوہ چے تالیہ!“ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

تخت و تاج کے لیے جنگیں لڑنے والے ....محلوں میں رہنے والے ...آخر میں کس مقام پہ آ کے روتے تھے؟ ایک دل تھا جو امیر غریب سب کا ایک ہی طرح سے دھڑکتا تھا۔اوہ چے تالیہ!

تالیہ کی سیاہ آنکھوں کے کٹورے بھیگتے گئے۔

”یہ صرف ایک خواہش تھی جو میں کبھی پوری نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔وہ شادی شدہ ہیں۔ان کے دو بچے ہیں۔“

وہ کافی دیر کچھ بول نہ سکا۔

”مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی کو علم بھی نہیں ہوگا اور وہ آپ کو فوراً چھوڑ دیں گے!“ اب کے وہ بولا تو سنجیدہ اور سپاٹ سا تھا۔

بیٹھک میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں اور ان کی زرد روشنی میں سامنے بیٹھی شہزادی ایک بے بس اور مجبور لڑکی سے زیادہ کچھ نہیں دِکھ رہی تھی۔

”اور یہی تو وہ نہیں جانتے کہ ایسا ادھورا ساتھ میرے لئے کتنا تکلیف دہ ہوگا۔اگر کسی سے صرف پیپر میرج کرنی ہوتی اور بعد میں چھوڑ دینا ہوتا تو مجھے فرق بھی نہ پڑتا۔ایک طلاق ہو چکی ہے میری۔اور جو لڑکی طلاق کو سروائیو کر لیتی ہے وہ ہر چیز سروائیو کر سکتی ہے۔مگر ایڈم....اس کاغذی کھیل کو میں کیسے سروائیو کروں گی۔“

”چے تالیہ!“ وہ ملال سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔”کیا آپ کے پاس سلطان مرسل سے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔“

”میرے پاس شاید بہت سے راستے نکل آتے مگر وان فاتح کو لگتا ہے کہ ان کے منصوبے کے لئے یہ حل بہترین ہے۔تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔تاشہ کی شہزادی ایک غلام سے ہی ہونی ہے۔“

”اور آپ؟ آپ کو کیا لگتا ہے کہ وان فاتح پہ بھروسہ کر کے آپ کوئی غلطی کریں گی یا عقلمندی؟“

”میں نفع نقصان دیکھے بغیر ان پہ بھروسہ کرنا چاہتی ہوں۔“

ایڈم نے گہری سانس لی اور آنکھیں مسلیں۔پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

”ٹھیک ہے۔پھر آپ یہ شادی کر لیں۔ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور واپس جا کے وہ آپ کو آزاد کر دیں گے یوں ان کا اپنا گھر بھی محفوظ رہے گا۔کوئی ہرٹ نہیں ہوگا‘ کسی کا گھر نہیں ٹوٹے گا۔آپ تو ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کو کبھی بھی پورا نہیں کرنا چاہتی تھیں نا‘ تو پھر کیا ہوا جو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔جذباتیت کے بغیر اس کو ایک منصوبے کی طرح لیں۔جیسے زندگی میں بہت سے کردار کیے ہیں آپ نے‘ ایسے ہی اس کردار میں بھی ڈھل جائیں۔چند دن کا ایک scam جو ایک دن بلبلے کی طرح پھٹ جائے گا۔“ وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔تالیہ نے ملال بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”یعنی تالیہ کی شادی ہمیشہ ایک scam ہی ہوگی؟ scam کی طرح شروع.... scam کی طرح ختم۔کیا ساری عمر جھوٹ

بولنے کی یہی سزا ہوتی ہے؟ کہ جب زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی یقین ہی نہ کرے۔''

ایڈم نے نظریں جھکا دیں۔ لمحے شرمندہ شرمندہ سے پھسلتے رہے۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے نم آنکھیں رگڑیں اور گردن اٹھا کے ذرا ہمت سے بولی۔ ''میں یہ شادی کرلوں گی اور وان فاتح پہ بھروسہ کروں گی۔ ہم واپس جائیں گے۔ میرا خواب کہتا ہے کہ ہم نئے زمانے میں ہوں گے۔''

''مگر اس خواب میں، میں نہیں تھا۔ خیر!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''آپ نے وانگ لی کا مجسمہ بنانے سے انکار کیوں کر دیا؟'' اس نے سارے قصے میں تالیہ کی سنائی گئی دوسری اہم بات کا تذکرہ کیا۔ تالیہ نے بے رخی سے کندھے اچکائے۔

''مجھے کیا ملنا ہے وانگ لی کا مجسمہ بنا کے؟''

''آپ کو عصرہ بیگم نے بتایا تھا نا کہ وانگ لی کا مجسمہ شہزادی تاشہ نے بنایا تھا۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس کی وانگ لی سے دوستی تھی، وانگ لی نے خواہش کی کہ وہ اس کا مجسمہ بنائے اسی لیے شہزادی سرخ حویلی میں آیا کرتی تھی۔''

''اور میں نے خواب میں شہزادی کو پشت سے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً 'میں' ہی تھی اور وہ مجسمہ بنا رہی تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ مجسمہ بنانے نہیں دراصل بالائی منزل کے مکین سے ملنے جاتی تھی۔''

''اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ مکین کون ہے۔ سو مجسمہ بنالیں، شہزادی صاحبہ۔ اس کو آپ کے ہاتھوں سے ہی بننا ہے۔ وانگ لی کی دوستی میں نہ سہی، بالائی منزل کے مکین سے ملنے کے لئے ہی سہی۔''

''کیا ضروری ہے کہ ہم ہر کام وہی کریں جو اس کتاب میں لکھا ہے؟ ہونہہ۔ میں تاریخ کو بدلنا چاہتی ہوں۔ میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔ بس۔'' وہ ناگواری سے اٹھی اور لباس کی احتیاط کیے بغیر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ سادہ مگر لمبے گھیرے کے لہنگے کا کنارا میز کے کیل سے الجھا اور کپڑا پھٹنے کی آواز آئی۔ وہ رکی اور غصے سے کپڑا کھینچا۔ تین چار انچ کا چاک پڑ گیا۔ مگر کپڑا کیل سے علیحدہ ہو گیا۔

''احتیاط سے شہزادی!''

تالیہ نے مڑ کے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ ''کون سے ہیرے جواہرات لگے ہیں اس لباس میں جو میں احتیاط کروں؟''

''یہ آپ کا لباس ہے، اس کے قیمتی ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ ویسے بھی شہزادیوں کے میلے اور پھٹے پرانے لباس بھی صدیوں بعد میوزیم میں رکھے جاتے ہیں، یہ تو پھر قیمتی ہے۔'' وہ جو سر جھٹک کے آگے بڑھ رہی تھی، ایک دم ٹھہر سی گئی۔ جیسے منجمد ہو گئی ہو۔

سارا محل اور ساتھ بہتا ملاکہ کا سمندر.... سب برف بن گیا تھا اور وہ اس میں نیلا برف ہوا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ دماغ میں جیسے کسی نے برف کی سل گھونپ دی تھی۔

چونک کے اس نے ایڈم کو دیکھا۔ وہ اب ادب سے رخصت لے رہا تھا۔ تالیہ سن کھڑی رہی۔

مگر اس ایک لمحے میں ہر چیز بدل گئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح طلوع ہوئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کی کھلی کھڑکیوں سے روشنی نے اندر جھانکا تو تالیہ مراد کو دروازے کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ شریفہ سامنے ہاتھ باندھے مود کھڑی تھی اور تالیہ ہاتھوں میں پکڑا رقعہ پڑھ رہی تھی جو راز داری سے اس تک پہنچایا گیا تھا۔

''اشراق کے وقت تک آپ کو میری حویلی میں ہونا چاہیے' شہزادی تاشہ۔ باقی سب بھی موجود ہوں گے۔ سن باؤ۔''

اس نے رقعہ مٹھی میں مروڑ دیا اور بازو سے بندھا ایک دوسرا رقعہ نکال کے شریفہ کی طرف بڑھایا۔

''سب سامان کی فہرست ہے۔ اسے میری بگھی میں رکھواؤ۔ میں تیار ہونے لگی ہوں۔ پھر مجھے سن باؤ کی طرف جانا ہے۔'' دانستہ اونچی آواز میں بولی کیونکہ کھلے دروازے پہ اس نے مراد کو رکتے دیکھ لیا تھا۔

''سن باؤ وانگ لی کی طرف؟ خیریت؟'' وہ کمر پہ ہاتھ باندھے' شاہی قبا میں ملبوس' سنجیدہ رعب دار سے انداز میں سوال کرتا اندر داخل ہوا تو شریفہ جھٹ سامنے سے ہٹی اور تالیہ نے فوراً سر جھکایا۔ ''راجہ! صبح بخیر۔!'' پھر سر اٹھا کے مسکرا کے بولی۔

''وانگ لی نے مجھ سے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس کا مجسمہ بناؤں۔ شادی تک خود کو مصروف رکھنے کا اس سے بہتر بہانہ مجھے کہاں ملے گا۔ اسی لئے مجسمہ سازی کا سامان لے کر آج وانگ لی کی طرف جانا ہے مجھے۔''

''ویسے..'' مراد اس کو بغور دیکھنے لگا جیسے سوچ میں پڑ گیا ہو۔ ''شہزادی کو ایک چینی غلام کا مجسمہ بنانا زیب نہیں دیتا۔''

''وہ چینی غلام نہیں سفارتکار ہے۔ ملاکہ کو قرضہ لا کے دے رہا ہے اور ملکہ یان سوفو کا وفادار ہے۔ ملکہ کے وفادار سے تعلقات اچھے رکھوں گی تو مجھے ہی آسانی ہو گی۔''

وہ مراد کے سامنے کھڑی' سادگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔

''تو تم اب اس شادی کے لیے دلی طور پہ راضی ہو؟''

''طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے' راجہ! طاقت کسے بری لگتی ہے؟'' پھر کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے مسکرائی۔ ''امید کرتی ہوں آپ مجھے بھاری زیورات دے کر اس محل سے رخصت کریں گے' راجہ۔ آخر آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ کے سارے لوٹے گئے سونے پہ مجھ سے زیادہ کس کا حق ہو گا۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''کون سا سونا؟ میں نے کچھ نہیں چرایا۔ ہاں' میری حلال کی کمائی بہت ہے میرے پاس۔ میں سنار کو بھجوا دوں گا۔ زیورات پسند کر لینا۔ اور جو چاہو گی تمہیں ملے گا کیونکہ اس شادی کے بعد وہ ہو گا جو میں چاہوں گا۔''

''دیکھتے ہیں' راجہ!'' اس نے سر جھکا کے کہا تھا۔

مراد کے جانے کے بعد وہ مسہری تک آئی جس کے ساتھ لوہے کی کھونٹی پہ لٹکا لباس نظر آ رہا تھا۔ ریشم کا بنا سادہ سفید لباس۔ لبا اسکرٹ نما لہنگا' اور گھٹنوں تک آتی قمیض ۔ اور ایک مفلر جیسا دوپٹہ۔ تینوں چیزوں (باجو کرنگ) کا رنگ سفید تھا۔ نہ کام تھا' نہ زری نہ دبکا۔ ایک ستارہ تک نہ لگا تھا اس پہ۔

سفید ریشم کو ہاتھ سے مسلتے اسے وہ دن یاد آیا جب وہ پہلی دفعہ دلہن بنی تھی۔ سرخ کامدار لہنگا۔

سونے کے ہلکے سے زیورات بھی پہنے تھے۔

ٹیکا بھی تھا۔ اور گلو بند بھی۔

کنگن اور مہندی بھی۔

اس نے سر جھٹکا اور لباس اٹھا لیا۔ اسے تیار ہونا تھا۔

دل پہ جو گزر رہی تھی اس سب کو نظر انداز کر کے.... اسے بس تیار ہونا تھا۔

☆......☆......☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ کنویں کے ساتھ بے مقصد سا کھڑا تھا۔ درخت کی چھایا کے باعث تیز روشنی اس کو نہیں چھو رہی تھی۔ شیو ہلکی بڑھی تھی اور بازو سینے پہ لپیٹے پانی میں جھانکتا کچھ سوچ رہا تھا۔

''تو تم شہزادی تاشہ کے ساتھ ان کے گاؤں سے آئے تھے؟'' آواز پہ وہ چونک کے پلٹا تو دیکھا' وانگ لی قہوے کی پیالی ہاتھ میں لئے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

فاتح نے ادب سے گردن جھکائی۔ ''مالک! میں شہزادی کے رازوں کا امین ہوں۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو ملکہ نے فرمایا وہ درست تھا۔''

''میں جانتا تھا تم عام آدمی نہیں ہو۔ سونے کا ایک ڈھیر دے کر میں نے تمہیں خریدا تھا۔ جیا کے کاروبار کو تم نے اٹھا کے رکھ دیا۔ اور اب ملکہ تمہارے بدلے مجھے سونے کا وہی ڈھیر دینے کو تیار ہیں۔ تم شہزادی سے شادی کے بعد آزاد ہو گے' فاتح!'' وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے پچھتا رہا ہو۔

''آپ میرے لئے ہمیشہ محترم تھے اور رہیں گے۔ کچھ چیزیں نہیں بدل سکتیں' مالک۔''

''واپس جا کے خط لکھتے رہنا۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' وہ مڑنے لگا تو فاتح تیزی سے بولا۔

''آپ ملاکہ کو قرض کی دلدل میں نہ دھکیلیں' مالک۔ آپ اس تجویز پہ عمل کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔''

''خط لکھتے رہنا' فاتح۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' چینی سفارتکار نے نرمی سے یاد دہانی کروائی اور قہوے کی پیالی سے گھونٹ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

باہر بگھیوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ مہمان پہنچ چکے تھے۔

جس وقت قاضی کاغذات کا پلندہ لئے برآمدے میں داخل ہوا' سامنے سن باؤ وانگ لی' ایڈم اور فاتح کو فرشی نشست پہ بیٹھے پایا۔ ان کے مقابل وہ بیٹھی تھی۔ زمین پہ سادہ ملے عورتوں کی طرح۔ سفید لباس میں ملبوس' سفید دوپٹہ سر پہ اوڑھے۔ وہ بس نظریں جھکائے اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

قاضی نے کاغذات چھوٹی میز پہ رکھے اور دوزانو ہو کے بیٹھا۔ ایک مضطرب نظر وانگ لی پہ ڈالی۔

''سن باؤ.... یہ بہت خطرناک کام ہے۔ مجھے راجہ مراد کے سامنے گواہی دینی پڑے گی۔ کیا شہزادی تاشہ ان خطرات سے واقف ہیں؟''

''راجہ مراد کا اقتدار اب چند دن کا مہمان ہے۔ آپ کو ان سے نہیں' ان کو اب آپ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے کام کا آغاز کیجئے۔ باقی سب میں دیکھ لوں گا۔ آپ چینی سفارتکار ہیں۔ آپ کو ملاکہ کا کوئی عہدیدار نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

وانگ لی کا انداز سپاٹ تھا۔ قاضی نے گہری سانس لی اور کاغذات سامنے رکھے۔

''نکاح نامے کی چار نقول بنائی گئی ہیں۔ ایک میرے پاس رہے گی' تصدیق کے لیے.... باقی دونوں آپ کے پاس ہوں گی۔ چوتھی نقل میں وانگ لی کو دے دوں گا۔''

(یعنی ملکہ کو۔) گواہ کے طور پہ سامنے بیٹھے ایڈم نے سوچا تھا۔

وہ بس پژمردہ سا بیٹھا تھا۔ اس کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ صحن میں چڑیوں کے نغمے سنائی دے رہے تھے اور قاضی مقدس کلمات پڑھ رہا تھا مگر ایڈم کو صرف اس کے لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر چیز سلوموشن میں ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے قاضی کو کلمات پڑھتے دیکھا۔

پھر مرد سے رضامندی لیتے دیکھا۔

مرد سپاٹ اور بے نیاز سا تھا۔ اس کے چہرے پہ ڈھیروں سکون تھا۔ وہ جیسے ذہن میں اگلا لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

اس نے بلا تامل رضامندی دے ڈالی۔

پھر قاضی نے سفید لباس والی شہزادی سے پوچھا تو اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ قاضی کو دیکھا اور بے خوف انداز میں اقرار کے بول بولے۔

پھر اس نے دعا کے لئے اٹھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

اپنے ہلتے لبوں کو محسوس کیا۔

اتنی سی بات تھی اور ایڈم بن محمد کا دل خالی ہو گیا۔

دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔

قاضی چلا گیا۔ وانگ لی باہر نکل گیا اور وان فاتح اپنے دیگر کام نپٹانے اٹھ گیا۔ ایسے میں صرف صحن میں مجسمہ سازی کا سامان پڑا رہ گیا۔ شہزادی بھی جس خاموشی سے آئی تھی' اس طرح اٹھ گئی۔ مرد اور شہزادی نے ایک دفعہ بھی نظر نہیں ملائی' نہ کسی نے کسی سے کوئی بات کی۔ ایسے لگتا تھا سب مشینی انداز میں ملکہ کا حکم ماننے کے لیے بیٹھے تھے۔ کام ختم ہوا تو وہ اپنی اپنی زندگیوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔

تالیہ نے بگھی واپس بھجوادی تھی اور خود پیدل چلتی وانگ لی کے گھر سے نکلی تھی۔ سامنے سبزہ زار تھا اور درختوں کی لمبی قطار۔ وہ ان درختوں کی طرف جانے لگی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ خاموشی سے متوازن قدم اٹھا رہی تھی۔

''کیا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' ایڈم اس سے آملا۔

''جیسے خواب ہو کوئی اور ٹوٹ گیا ہو۔ numb۔ بے حس۔ سرد۔'' وہ سکون میں لگتی تھی' جیسے کچھ ہوا بھی نہ ہو۔ دونوں ساتھ ساتھ گھاس پہ قدم اٹھانے لگے۔

''یہ صحن میں مجسمہ سازی کا سامان کیسا ہے؟ رات تک تو ڈٹی ہوئی تھیں کہ مجسمہ نہیں بنائیں گی۔''

وہ رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب درختوں کے بیچ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ قریب میں گھوڑے چرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''تم نے کہا تھا صرف اپنا سوچوں۔ سو میں صرف اپنا سوچ رہی ہوں اب۔ تم نے کہا تھا کہ میں ایک لالچی عورت ہوں جس کی زندگی کے سارے بڑے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے ہیں۔ میں نے اس بات کو کھلے دل سے قبول کر لیا ہے' ایڈم۔''

''میرا وہ مطلب نہیں....''

''میں واقعی ایک خزانے کی پیچھے بھاگنے والی لڑکی ہوں' ایڈم! اور مجھے خزانہ مل گیا ہے۔'' وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ایک دم وہ کے ایل والی تالیہ لگنے لگی تھی۔ غلام سے نکاح اور شہزادی کا رتبہ' وہ سب جیسے ہوا ہی نہیں تھا۔

''خزانہ نہیں ہے' تالیہ۔''

''بالکل۔ خزانہ نہیں ہے' ایڈم! خزانے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی تو ایڈم کے ابرو حیرت سے بھنچے۔

''خزانے؟''

''سن باؤ کا گھر۔ اور سن باؤ کا مطلب ہوتا ہے' تین خزانے۔''

''وہ تو صرف وانگ لی کا لقب ہے اور....''

''چھ سو سال تک وہ گھر' تین خزانوں والا گھر' کہلاتا رہے گا۔'' وہ زور دے کر بولی۔ ''اس گھر میں تین خزانے ہیں' ایڈم!''

''تین خزانے؟''

''ہاں۔ پہلا خزانہ 'وقت کا خزانہ' تھا۔ جس کا قفل ہم نے کھول لیا۔ تیسرا خزانہ میں نہیں جانتی کیا ہوگا مگر دوسرا خزانہ وہ ہے جو میرے خواب میں' میں اور تم ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ خزانہ جو ہمیں واپس جا کے بے تحاشا امیر کر دے گا۔''

''وانگ لی کے گھر میں خزانہ مدفن ہے؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''عصرہ نے کہا تھا' شہزادی تاشہ' وانگ لی کی دوستی کے باعث اس گھر میں آتی تھی۔ مجھے اپنے خواب سے لگا تھا کہ وہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے آتی تھی۔ لیکن یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں اب شرارت در آئی تھی۔ ''میں وہ مجسمہ بنانے روز جاؤں گی وانگ لی کے گھر....لیکن اس کی ایک تیسری وجہ ہے!'' وہ مسکرا کے بتا رہی تھی اور وہ دنگ سا کھڑا تھا۔

''میں وہاں 'دوسرے خزانے' کے لئے جاؤں گی۔''

''کیا وہاں خزانہ مدفن ہے جس کو کم نے کھودنا ہے؟''

''نہیں ایڈم۔ ہم نے خزانہ دبانا ہے۔ چھ سو سال بعد ہم واپس جا کے اس خزانے کو اسی گھر سے نکالیں گے۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''آپ سن باؤ کے گھر میں زیورات وغیرہ دبانا چاہتی ہیں؟'' وہ اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

''زیورات نہیں۔ میں کتنے ہی سونے چاندی اکٹھے کرلوں' وہ بیچ بیچ کے ختم ہو جائیں گے۔ کے ایل میں' میں ایک سوشلائیٹ ہوں' اور ایک چور۔ تم ایک باڈی مین ہو۔ بھگوڑے فوجی۔ ہم دونوں حقیقتاً امیر نہیں ہیں۔ اور ہم دونوں کو امیر ہونے کے لئے خزانہ چاہیے۔ اصلی خزانہ۔ ہمیں کچھ اور دبانا ہے۔''

سبزہ زار پہ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایڈم ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو اگر واپس جانے کا اتنا یقین ہے تو آپ تھیلے میں سب ساتھ لے جائیں۔ دفن کرنا کیوں ضروری ہے۔''

''میرے پاس زیور بہت کم ہے' ایڈم۔ اور مجھے کروڑوں ڈالرز کا خزانہ چاہیے۔ اگر زیور ساتھ لے گئے تو وہ وقت کا سفر طے کر کے ہمارے ساتھ نئے زمانے میں چلا جائے گا۔ وہ نیا ہی رہے گا۔ وہ age نہیں کرے گا۔ جیسے میرے خواب میں یہ انگوٹھی (ہاتھ اٹھا کے انگوٹھی دکھائی) میری انگلی میں بالکل نئی لگ رہی تھی۔''

''تو آپ زیور کو یہاں دفن کرنا چاہتی ہیں؟''

''نہیں۔ میرے پاس اتنا زیادہ زیور ہے ہی نہیں اور زیورات کی 2016 میں کوئی اہمیت نہیں ہے' ایڈم۔ مگر جانتے ہو کس چیز کی ہے؟''

''کس کی؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادیوں کے استعمال شدہ پھٹے پرانے کپڑوں کی! تم نے ہی تو مجھے کل بتایا تھا۔قدیم زمانے کے عام سے برتن' کتابیں' خطوط اور دوسری چیزیں نئے زمانے میں antique بن جاتے ہیں جو کروڑوں ڈالرز کے بکتے ہیں۔ جو نیلامی میں لگائے جاتے ہیں۔ جو میوزیم میں سجائے جاتے ہیں۔''

''اوہ۔'' اسے بالآخر سمجھ آنے لگی تھی۔تالیہ جوش سے بتا رہی تھی۔

''ہم شہزادی تاشہ' سلطان مرسل' ملکہ یان سوفو اور راجہ مراد کے زیرِ استعمال عام سی چیزیں اکٹھی کریں گے اور ان کو سن باؤ کے مجسمے تلے زمین میں دبا دیں گے۔ہم جانتے ہیں کہ چھ سو سال بعد بھی وہ مجسمہ وہیں موجود رہے گا۔اسے آنچ تک نہیں آئے گی۔ہم ان چیزوں کو اپنے ساتھ وقت کے دروازے میں سے نہیں لے کے جا سکتے۔ ورنہ وہ میری انگوٹھی کی طرح نئے رہیں گے۔وہ بریسلیٹ اور چابی کی طرح age نہیں کریں گے۔''

''اور antique بننے کے لئے ان کا age کرنا ضروری ہے۔ان کی عمر گزرنا ضروری ہے۔'' وہ سمجھ رہا تھا۔

''ہاں۔اور یہ خزانہ ''چوری شدہ'' نہیں ہوگا۔ یہ ہم نے اپنی محنت سے کمایا ہوگا۔ فاتح بن رامزل مجھے وہاں جاتے ہی چھوڑ دیں گے۔ان کی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ پھر میرا کیا ہوگا؟ میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔ مجھے اپنے خواب پانے کے لئے یہ خزانہ چاہیے ہے ایڈم۔ یہ ہماری زندگیاں بدل دے گا۔اور یہ..... ''جائز'' ہوگا۔''

وہ دم بخود کھڑا تھا۔'' آپ کا دماغ....کیسے کام کرتا ہے' چے تالیہ؟ یہ اتنے شیطانی منصوبے کہاں سے آتے ہیں آپ کو؟''

تالیہ نے ابرو خفگی سے بھینچے۔

'' بکومت۔ یہ بتاؤ' کیا میرا ساتھ دو گے؟ کیا چند بے کار چیزوں کو چھ سو سال کے لیے دفن کرنے میں میری مدد کرو گے؟''

''پانچ سو ستاون سال!''

''زیادہ میرے autocorrect نہ بنا کرو۔شکر ادا کرو کہ میں تھی۔ میرے پلانز تھے۔''

''آپ شکر کریں کہ آپ کو میرے جیسا مفت کا غلام ملا ہوا ہے۔'' وہ دونوں اب آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی آواز دور ہوتی سنائی دے رہی تھی۔

''مفت کا کیوں؟ خزانے میں سے بیس فیصد حصہ دوں گی تمہیں۔''

''ایک منٹ ایک منٹ۔بیس فیصد کس خوشی میں؟ ہم ففٹی ففٹی کریں گے۔''

''ففٹی فیصد دماغ تو ہے نہیں تمہارا ہونہہ۔سارا پلان میرا' ساری محنت میری۔ تمہیں صرف مورل سپورٹ کے لئے رکھا ہے۔اور زیادہ سودے بازی نہ کرو میرے ساتھ' ورنہ شہزادی کے جلال سے واقف نہیں ہو تم۔''

ایڈم نے چلتے چلتے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔

''تو شہزادی نہ وان فاتح کی محبت میں اس گھر میں آتی تھی' اور نہ ہی وانگ لی کی دوستی میں۔ وہ صرف خزانہ دفن کرنے آتی تھی۔ آپ ناویسے بالکل نہیں بدلیں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ مجھ سے ''بنگار املایو' میں یہی لکھوائیں گی کہ شہزادی وانگ لی کی دوستی میں اس گھر میں آتی تھی۔ اے مکرم فرشتے!'' اپنے بائیں کندھے کو دیکھ کے بولا۔ ''میرے اعمال نامے میں سے بنگار املایو نکال دو' خدا کے لئے۔ اس کے سارے جھوٹوں میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''ویسے ایک بات ہے.... وہ نظم جوسن باؤ کے گھر کی دیوار پہ لکھی تھی.. شہزادی تاشہ والی...وہ یہاں نہیں لکھی۔ وہ بھی یقیناً میں ہی لکھوں گی۔ مگر کیوں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ ایڈم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دونوں درختوں کے درمیان اب اوجھل ہو رہے تھے۔

دورسن باؤ کی حویلی کی بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑے فاتح نے مسکرا کے ان کو دور جاتے دیکھا تھا۔ وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا' مگر اس کو ڈھیروں اطمینان میسر تھا۔

جھک کے اس نے پانی کے پیالے میں رومال ڈبویا اور گردن کے پیچھے لیپ شدہ غازہ رگڑ کے صاف کیا۔ وقت کی مہر واضح دکھائی دینے لگی۔

اس کو ظاہر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

ہر شے پلان کے مطابق ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس صبح قدیم ملاکہ میں زور کی بارش ہوئی تھی مگر دوپہر تک مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا تو سارے میں دھوپ چھاؤں جیسا موسم ہو گیا۔ ایسا آنکھ مچولی والا موسم تھا کہ الامان۔

''جیا'' کی رسوئی میں فاتح زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ گود میں بہت سے پتے رکھے تھے جن کو وہ ٹہنیوں سے علیحدہ کر کے ایک ٹوکری میں ڈال رہا تھا۔ ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے اور پوروں میں پتوں کی مہک رچ بس گئی تھی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ!'' اداس سی آریانہ اس کے ساتھ آ بیٹھی تو اس نے نظر اٹھائی۔ سفید ہیئر بینڈ لگائے' وہ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے' چوکڑی مارے بیٹھی اسے یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

''کہتے ہیں قدیم چینی بادشاہ Shen Nong ایک دفعہ سفر پہ نکلا تو ایک جگہ پڑاؤ کے دوران اس کے غلام عادتاً اس کے لئے لکڑیاں جلا کے پانی ابالنے لگے۔ ہوا چلی اور درخت سے ایک پتہ ٹوٹ کے پانی میں جا گرا۔ کسی کو علم تک نہ ہوا اور معمول کے مطابق

غلاموں نے بادشاہ کو کڑھا ہوا پانی پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اسے پیا تو ذائقہ بے حد مختلف تھا۔ اس کڑھے پانی نے اسے تازہ دم کر دیا۔ اس نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایک پتہ پانی میں گرا تھا۔ کہتے ہیں بادشاہ shennong وہ پہلا انسان تھا جس نے پتے ابال کے پہلی 'چائے' بنانے کی روایت ڈالی۔ تب سے لوگ پتوں کو ابال کے قہوہ' چائے اور''جیا'' بنانے لگے۔ میں بھی اس وقت چائے کے پتے علیحدہ کر رہا ہوں۔''

''میں اس کی بات نہیں کر رہی۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ دلبرداشتہ سی بولی۔

''میری ماما کا کیا ہوگا' ڈیڈ؟ آپ کیسے کسی اور سے شادی کر سکتے ہیں؟''

''یہ صرف ایک کاغذی معاہدہ ہے' اور یہ ہمیں یہاں سے آزاد کر دے گا۔'' وہ سر جھکائے پتے توڑ رہا تھا۔

''مگر کیسے؟''

''قدیم کہاوتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں' آریانہ۔ اور ایسی ہی ایک کہاوت کہتی ہے کہ 'سچ تمہیں آزاد کر دے گا مگر....''

''مگر پہلے وہ تمہیں غصہ دلائے گا۔'' اس نے جھٹ فقرہ مکمل کیا۔

''تو صرف سچ ہے جو ہمیں آزاد کرے گا۔'' وہ ٹوکری رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے اور جوتے پہنے۔ آج کل وہ خود سے باتیں کم کرتا تھا۔ اس کے پاس سارے جواب موجود ہوتے تھے۔ سادہ کرتے' پاجامے' کمر کے گرد کپڑا باندھے' وہ پہلے سے زیادہ پرامید لگ رہا تھا۔

''جو اس دنیا میں ہوگا' وہ اس دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ میں کوئی نیا رشتہ ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔ مجھے کسی رشتے کو بنانے میں دلچسپی نہیں ہے' آریانہ۔ مجھے صرف آزادی چاہیے۔'' اور پھر وہ مڑ گیا۔ آریانہ اس کی گردن کے پیچھے ثبت مہر دیکھ سکتی تھی۔

ہال کمرہ کھچا کھچ بھرا تھا۔ میزیں لگی تھیں اور لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کمرے کے آغاز میں ایک چبوترہ سا بنا تھا۔ وہ اس پہ کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔

''مجھے پرسوں کسی نے 'غلام فاتح بن رامزل' کہہ کے پکارا تھا۔'' اس کی آواز کی گرج اور بھاری پن سے کئی ہاتھ رکے۔ کئی گردنیں مڑیں۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑا' کمرے کے ایک کونے سے دوسرے تک سب کو باری باری دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''اور میں نے اس سے کہا کہ میرا نام غلام نہیں ہے اور مجھے میرے نام سے پکارا جانا چاہیے۔ جانتے ہو کیوں؟''

جیا کے نیم تاریک ہال میں خاموشی چھانے لگی لوگ اس کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ لقمے چبانے لگے۔ برتنوں کی کھٹر پٹر کم ہو گئی۔

''کیونکہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اس نے بنی آدمی کو عزت بخشی۔ ان کو 'اکرام' سے نوازا۔ ملاکہ کے لوگو... آدم علیہ السلام کی اولاد کا ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بدکار' امیر ہو یا غریب' کالا ہو یا گورا' مسلمان ہو یا غیر مسلم' ہر انسان... عزت کے.... قابل ہوتا ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کے زور دے کر بول رہا تھا۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ لب ہل رہے تھے۔ گھونٹ بھرے جا رہے تھے مگر آواز نہیں آتی تھی۔

''بھلے ہمیں کوئی انسان برا لگتا ہو.... بھلے ہمیں کسی سے نفرت ہو.... مگر ہم سب پہ لازم ہے کہ ہم ہر انسان کی عزت کریں کیونکہ اللہ نے سب کو عزت سے نوازا ہے۔ جانور صرف کھانے اور سائبان کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے۔ انسان نہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے 'عزت' بھی چاہیے ہوتی ہے۔''

وہ بلند آواز میں قدرے خفگی سے کہہ رہا تھا اور لوگ سن رہے تھے۔

''کیوں بے عزت ہونے کے بعد لوگ شہر چھوڑ دیتے ہیں' خودکشی کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ غم سے مر بھی جاتے ہیں؟ کیونکہ انسان نہیں رہ سکتا عزت کے بغیر۔ تم کیسے لوگ ہو؟ تمہیں تمہارے گھروں سے اغوا کر کے یہاں غلام بنا لیا گیا ہے اور تم اپنے مالکوں کی جھڑکیاں سنتے ہو مگر اپنے لئے کھڑے نہیں ہوتے؟''

اسے جیسے ان لوگوں پہ بے حد غصہ تھا۔ وہ چپ چاپ سنے گئے۔

''یاد رکھو۔ اگر کسی انسان کی محبت یا خوف تمہیں اتنا بے بس یا بے حس بنا دے کہ وہ تمہاری بے توقیری کیے جا رہا ہے اور تم چپ چاپ برداشت کر رہے ہو تو تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ انسان کو کسی بھی رشتے میں اپنی عزت قربان نہیں کرنی چاہیے۔ تم اچھے ہو یا برے' تم معزز ہو۔ تمہارے معزز ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔''

کچھ لوگ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ خاموشی سے کھا رہے تھے۔

''میں یہاں تم لوگوں کو مفت میں اگر کھانا دلواتا ہوں تو عزت کے ساتھ۔ تاکہ تم اپنی عزت خود کرنے لگو۔ خدا کے لئے اپنی قدر کرنا سیکھو۔ جانوروں کی طرح دوسروں کی ناجائز باتیں مت برداشت کرو۔ اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اکٹھے ہو جاؤ اور احتجاج کرو۔ سلطان کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تمہارے اوپر ظلم ہو رہا ہے۔ اسے بتاؤ کہ تمہیں کسی منڈی میں نہیں خریدا گیا۔ تمہیں ناجائز طور پہ غلام بنا کے بیچا گیا ہے۔ میں تمہارے لئے سلطان کے پاس جانے کو تیار ہوں' ملاکہ کے لوگو.... لیکن کیا تم لوگ اپنے لئے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟''

کچھ نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر وہاں ہر چہرے پہ تھکن تھی۔ گردنیں واپس پلٹ گئیں۔ برتنوں کی آواز آنے لگی۔ کھانا دوبارہ سے کھایا جانے لگا۔ فاتح نے گہری سانس بھری سر جھٹکا اور چبوترے سے اتر آیا۔ پھر کونے میں دیکھا تو آریانہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔ اسے متوجہ پا کے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ (یہ لوگ بہت بزدل ہیں' ڈیڈ۔)

''ایک دن آئے گا جب یہ لوگ اپنے لئے کھڑے ہوں' آریانہ۔ کیونکہ یہ تاریخ میں لکھا ہے۔ یہ قسمت میں لکھا ہے۔ بس تم انتظار کرو۔'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتا رسوئی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پہ کوئی اضطراب' مایوسی کچھ نہ تھا۔

کونے کی ایک میز پہ بیٹھے چغہ پوش آدمی نے غور سے اسے جاتے دیکھا۔ مدھم رشنیوں کے باوجود اسے 'جیا' کے اس نمایاں' خوش شکل اور تنومند سے غلام کی گردن کی پشت پہ ایک جلنے کا داغ سا نظر آیا تھا۔

آدمی نے جیب سے رقعہ نکالا اور کھول کے دیکھا۔ اس پہ بنا خاکہ ہو بہو ویسا تھا۔ وہ بالآخر مسکرایا۔ پھر چپ چاپ اٹھا اور قہوہ خانے سے باہر نکل گیا۔

اسے بنداہارا کا مطلوبہ شخص مل گیا تھا۔

اب اس کا رخ مراد راجہ کے محل کی جانب تھا۔

☆......☆......☆

رات کا سیاہ آسمان تھا.... چاند چمک رہا تھا.... اونچے ٹیلوں کا راستہ پیدل چلنے کے لیے دشوار گزار اور پتھریلا تھا۔ مگر وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے.... تالیہ آگے تھی.... ایڈم پیچھے تھا۔ ان لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا.... بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔

سامنے سبزہ زار دکھائی دیا اور چاندنی میں نہائے درخت تو وہ سانس لینے کو رکی۔ جب سے مجسمہ بنانا شروع کیا تھا' ہر رات وہ دونوں یہاں آ کے درختوں میں کچھ چیزیں چھپا جاتے تھے۔ دوپہر میں جب وہ شاہی بگھی میں حویلی آ کے مجسمے کا کام شروع کرتی تو ایڈم ان کو درختوں کی کھوہ سے نکالتا اور لباس میں چھپائے اندر لے آتا۔ کسی سپاہی کو علم تک نہ ہوتا کہ وہ دونوں مجسمے کی بنیاد میں کیا بھر رہے ہیں۔

آج وہ درخت میں چند برتن چھپانے کے بعد پلٹی نہیں۔ بلکہ سن باؤ کے گھر کی طرف آ گئی۔ سن باؤ آج کسی تقریب میں گیا تھا اور گھر پہ نہیں تھا۔ حویلی خاموش پڑی تھی۔ اکا دکا غلام جو یہاں ہوتے تھے' وہ بھی غالباً جیا پہ تھے۔

حویلی کا دروازہ کھلا تھا۔ اس زمانے میں لوگ اپنے گھروں کے دروازے مقفل نہیں کرتے تھے۔ وہ چغے کی ٹوپی سر پہ جمائے تیزی سے اندر داخل ہوگئی تو ایڈم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

''چے تالیہ....'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا آیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!'' وہ راہداری میں آگے بڑھتی گئی اور صحن میں آ گئی۔

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟'' وہ زچ ہوگیا۔

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ آخری دیوار تک آئی اور اندھیرے میں اسے ٹٹولنے لگی۔

وہ چلتے چلتے بیچ صحن تک آیا اور رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیسے؟''

وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے مگر ابھی آپ کیا کر رہی ہیں؟''

''میں اپنے لیے نشانی چھوڑ رہی ہوں۔'' وہ دیوار کے اس کونے تک آئی جہاں اس نے خواب میں ایک نظم لکھی دیکھی تھی۔

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔ لیکن ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ مجسمے سے کتنی اینٹوں کے فاصلے پہ ہم نے خزانہ دبایا تھا؟ وہ نظم جس مقام پہ لکھی جائے گی' اس کی سیدھ میں خزانہ ہوگا۔ ایک دفعہ ہم خزانہ نکال لیں تو ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے' ایڈم۔'' وہ ایک اینٹ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ یہ اس جگہ کی سیدھ میں تھی۔ اس نے وہاں چاقو سے نشانی لگائی۔ صبح وہ ادھر نظم لکھ دے گی۔

''اور وان فاتح؟ ان کا کیا؟'' ایڈم نے یاد دلایا۔ وہ دونوں اب خاموشی سے گھر سے باہر آ گئے تھے اور درختوں کی طرف جا رہے تھے۔

''وہ زر اور زمین سے بے نیاز انسان ہیں۔ ان کو خزانے کی خبر تک نہیں ہوگی۔ یہ صرف میرا اور تمہارا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب ہم نئے زمانے میں جا کر اس جگہ کو کھودیں گے تو خزانہ وہاں موجود ہوگا۔ ہم نے خاص حفاظتی طریقے سے بنیادوں میں اسے بھرا ہے۔''

''ویسے نئے زمانے میں اس سب کی قیمت کیا ہوگی؟'' اس کو بھی دلچسپی ہوئی۔

''بنداہارا کی نوکرانی شریفہ کے خطوط سے لے کر سلطان کے زیرِ استعمال مہر شدہ جام تک' یہ ساری پھینکی ہوئی چیزیں جب ہم نکال کے ماہرین کے پاس ٹیسٹ کے لئے کر جائیں گے تو یہ چیزیں ہر ٹیسٹ پاس کر جائیں گی۔ ہم ان کی عرب اور یورپی ممالک میں نیلامی کروائیں گے اور ایک ایک چیز کروڑوں ڈالر میں بکے گی۔ تم اور میں بہت امیر ہونے جا رہے ہیں ایڈم!''

پھر ایک دم وہ مسکرائی اور اوپر سیاہ آسمان کو دیکھا۔

''یہی منظر تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ مجھے لگا تھا اس میں ہم خزانہ ڈھونڈنے کی بات کر رہے ہیں مگر نہیں۔ ہم اس میں خزانہ دبانے کے بعد کھود کے نکالنے کی بات کر رہے تھے۔ سارے چکر وقت کے تھے ورنہ ہر بات سمجھ میں آ سکتی تھی۔''

وہ دونوں اب سبزہ زار سے نیچے اتر رہے تھے جہاں ان کے گھوڑے منتظر کھڑے تھے۔ پہلی دفعہ ایڈم کو اس کی باتوں سے امید ہونے لگی تھی۔ واپس جا کے.... وہ بھی امیر ہو جائے گا۔ واہ!

☆......☆......☆

مجسمے کو بناتے بناتے یہ چھٹا دن آ پہنچا تھا۔ اس دوپہر وہ سن باؤ کے صحن میں موجود تھی اور کام کر رہی تھی۔ سنہرے بالوں کا جوڑا

بنائے' شفاف چہرہ لئے وہ مخملیں چغے میں ملبوس تھی۔ زیور پہنے ہاتھوں پہ گارا ابھی تک لگا تھا۔ بنیادیں بھری جا چکی تھیں اور مجسمے کی ٹانگیں بن چکی تھیں۔ تالیہ پیچھے ہٹی اور توصیفی انداز میں مجسمے کو دیکھا۔

''میرے آرٹ کو مانتے ہو یا نہیں؟'' ساتھ کھڑے ایڈم سے ستائش طلب کی۔ اس نے گہری سانس لی۔

''قیامت کے دن اس میں جان ڈالنی پڑے گی آپ کو' محترمہ۔ میرے اعمال نامے کو ان سیاہ کاریوں سے دور رکھیے!''

تالیہ نے تنک کے اسے دیکھا۔ ''چوری کرنے سے تو یہ بہتر کام ہے نا! اور پھر ایک دن میں اس کو خود ہی گرا دوں گی۔ جب....ہم وہ خزانہ نکالیں گے!'' دبے الفاظ میں یاد کروایا۔

''چلیں۔ مان لیا۔ اچھا اگر آپ کو مجسمے سے فرصت مل جائے تو مجھے ان کتابوں کا بتایئے گا' شہزادی صاحبہ۔ وہ ہمیں بندا ہارا کے خزانے تک لے جا سکتی ہیں۔'' اس نے بھی آواز دھیمی کی۔

''تم محل واپس جاؤ' ایڈم۔ ملکہ نے وہ کتابیں تمہارے کمرے میں اب تک بھجوا دی ہوں گی۔''

ایڈم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ''اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟ جانتی ہیں' تین چاند والے جزیرے پہ چھپی دولت ملاکہ کے لوگوں کی امانت ہے اور اس کا ڈھونڈنا بہت ضروری تھا۔''

''مگر میں ٹھہری لالچی' خود غرض چور عورت۔ میرے لئے میرا خزانہ (مجسمے کے قدموں کی طرف اشارہ کیا) زیادہ ضروری تھا۔ اب جاؤ تمہارا کام یہاں ختم ہے۔''

شان بے نیازی سے ہاتھ جھٹکا تو وہ فوراً (سلام' آداب بھول کے) باہر کو بھاگا۔

تالیہ واپس اپنا کام کرنے لگی۔ اسی اثناء میں سن باؤ اپنے کمرے سے نکلا اور اس کی طرف آیا۔ ادب سے سلام کیا۔

''معذرت' شہزادی۔ میں آپ کو تنہا چھوڑ کے کام کرنے چلا گیا۔ چند اہم خطوط شاہِ چین کی طرف ارسال کرنے تھے۔ اور ابھی ابھی قاصد نے اطلاع دی ہے کہ ملکہ نے مجھے بلوایا ہے۔''

''آپ آرام سے اپنے کام کیجئے' وانگ لی۔ میں یہ مجسمہ آپ کی طرف دیکھے بغیر بھی ختم کر سکتی ہوں۔ کل تک یہ تیار ہو گا۔'' وہ جھکی اور گارے کو ہاتھوں میں بھرے اٹھی۔ وانگ لی کی طرف پشت تھی۔ وانگ لی ممنونیت سے مسکرایا۔

''آپ کا شکریہ شہزادی۔ میری پرانی خواہش پوری کرنے کے لئے۔''

شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ برآمدے کی طرف پشت کیے وہ مجسمے کے اوپر مٹی لیپتی رہی۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہ ہو سکا۔ وانگ لی کام سے چلا گیا اور وہ مجسمہ بناتی رہی۔ آوازیں البتہ سنائی دی تھیں۔ کوئی باہر سے آیا تھا اور برآمدے کی طرف آنے کی بجائے راہداری سے سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ زینے چڑھنے کی آواز آئی.....

پھر تالیہ کو محسوس ہوا کہ کوئی بالائی منزل کے کمرے کی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا ہے۔

کوئی ہیولہ سا.... جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو.... اور وہ نیچے دیکھ رہا ہو....

جہاں صحن کے کونے میں وہ کھڑی تھی.... مخملیں چغہ پہنے.... جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں.... اس کی کھڑکی کی طرف پشت تھی.... بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی تھی اور سر پہ جمے تاج کی پشت دکھائی دے رہی تھی....

چغے کے آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن تھے....

خوبصورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں تھیں....

اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ مجسمہ بنا رہے تھے....

شاہزادی.... مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی تھی۔

گردن ذرا سی موڑتی تھی....

شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی.... بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونہ کنپٹی سے جھلکتا تھا....

بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باوجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی تھی....

جیسے واقف تھی کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے....

پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنسی.... اور گردن موڑی....

بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑا مرد تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرہ تکان سے لبریز تھا اور بال الجھے بکھرے سے تھے۔

اسے خود کو دیکھتے پا کے وہ مسکرایا اور پھر واپس پلٹ گیا۔ زینے اترنے کی آواز آئی۔

تالیہ پلٹ کے اپنا کام کرنے لگ گئی۔

دفعتاً اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا مگر اطمینان سے مسکراتے ہوئے مجسمہ بناتی رہی۔

''شہزادی!'' ادب سے کہا گیا تو وہ اس نے بے نیازی سے چہرہ موڑا۔ ''تو انکو!''

وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے خوشگوار حیرت سے مجسمے کے قریب آیا اور چاروں طرف سے اسے گھوم پھر کے دیکھا۔

''میں پچھے دن سے جیا میں تھا۔ وانگ لی نے گھر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ یقیناً تم نے منع کیا ہوگا۔'' وہ ستائش سے مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ ''پہلے تو کہہ رہی تھیں کہ مجسمہ بنانے نہیں آؤ گی۔''

''میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے نہیں آؤں گی۔''

''تو میری بیوی درست تھی۔ شہزادی تاشہ یہاں صرف وانگ لی کی دوستی میں آتی تھی۔'' وہ گردن جھکا کے مجسمے کا جائزہ لے رہا تھا۔

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سرخ اینٹوں والے صحن میں کوئی عجیب مردنی سی چھانے لگی تھی۔

''آپ کی بیوی درست ہے۔'' ایک چور نظر مجسمے تلے زمین پہ ڈالی جواب برابر کر دی گئی تھی اور جس کے اندر بہت کچھ مدفن تھا۔

''اور آپ کو مجھے میرا مقام یاد دلانے کے لئے عصرہ بیگم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے وہ فیصلہ صرف آپ کے اوپر بھروسہ کر کے لیا تھا۔'' آواز میں درشتی گھل گئی۔

''ٹھیک کیا تھا۔'' وہ ابھی تک مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ انداز بے نیاز سا تھا۔ اس کے لئے صرف آزادی اہم تھی۔ کوئی رشتہ' کسی کے احساسات' اس سب کے نتائج' سب ثانوی تھا۔

''اگر آپ نے میرے کام کو سراہ لیا ہو تو پلیز ہٹ جایئے۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تو فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی طرف پشت ہوئی تو اس کی گردن کا نشان اس کی نظروں میں چبھا۔

تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ''تو انکو۔ آپ نے وہ غازہ اتار دیا؟''

اس نے مڑ کے تالیہ کو دیکھا اور کندھے اچکائے۔ ''تمہیں لگتا ہے وان فاتح کسی سے ڈرتا ہے؟'' مسکرا کے سر جھٹکا اور برآمدے کی جانب چلا گیا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

ان کے درمیان کچھ بھی نہ بدلا تھا اور جیسے سب بدل گیا تھا۔

''میں اگلے تین دن مجسمہ بنانے کے لئے روز آؤں گی۔ کوشش کیجئے گا کہ آپ وہ وقت جیا میں ہی گزاریں' تاکہ میں آرام سے اپنا کام کر سکوں۔'' قدرے خفگی سے اسے پکارا مگر وہ اَن سنی کر کے اندر جا چکا تھا۔

''ہونہہ۔ گستاخ۔'' وہ سر جھٹک کے واپس مجسمے کی طرف متوجہ ہوئی۔

☆......☆......☆

یہ تیسرے روز کی بات ہے جب وہ سن باؤ کے گھر سے تھکی ہاری واپس اپنے محل آئی اور اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ایڈم بن محمد بے چین سا وہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میز پہ چند کاغذ رکھے تھے۔ اسے دیکھ کے فوراً سے اٹھا۔

''مجسمہ مکمل ہو گیا؟''

''اپنے سارے رازوں کے ساتھ وہ مکمل ہو گیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ دروازے بند کر دیے اور ایک قندیل بجھا دی۔ روشنی ہلکی ہو گئی۔ اور کمرے کا ماحول پراسراریت میں ڈوب سا گیا۔

''تھک گئیں کیا؟'' وہ جو کچھ اور کہنے لگا تھا' اس کا تکان زدہ چہرہ دیکھ کے بات روک لی۔

وہ سنگھار میز تک آئی اور ننھے صندوق سے خوشبودار گیلا رومال نکالا' پھر اس سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے ان معمولی

چیزوں میں سے کوئی بھی چیز چرائی نہیں تھی' ایڈم۔میں نے وہ خود حاصل کی تھی۔ جائز طریقے سے۔سوائے شریفہ کے خطوط کے۔ان کے لئے بھی آج ایک بھاری رقم اسے ادا کر دی ہے۔وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں ان خطوط کو چھ سو سال بعد بیچنا چاہتی ہوں مگر وہ خوش ہے ۔اور میں بھی خوش ہوں کیونکہ یہ خزانہ جو ہمیں بہت امیر کرے گا' میری جائز کمائی کا ہوگا۔'' پھر رومال رکھا اور مسکرا کے سنگھار میز کے کنارے پہ ٹک گئی۔ایڈم واپس بیٹھا اور کاغذ سامنے پھیلائے۔

''تین چاند والا جزیرہ ملاکہ سے مغرب کی سمت ڈیڑھ دن کی مسافت پہ ہے۔ہمیں جلد از جلد وہاں جانا ہوگا۔ کچھ نقشے اس کتاب میں تھے' اور کچھ میں نے شہر کے کتب خانوں سے اکٹھے کیے ہیں۔'' پھر وہ جوش سے کاغذ پہ مختلف مقامات پہ انگلی رکھ کے اسے راستہ سمجھانے لگا۔ دفعتاً اسے ایک خیال آیا۔''مگر آپ کیسے جا سکیں گی؟ کم از کم تین دن تو آنے جانے میں لگ جائیں گے۔''

''اس کی فکر مت کرو۔شہزادیاں رواج کے مطابق شادی سے قبل چند دن شاہی آداب کی تربیت حاصل کرنے جنوبی محل کی طرف چلی جاتی ہیں۔راجہ مراد نے مجھے بھی وہاں جانے کو کہا ہے۔انکار کروں گی تو راجہ کو شک ہوگا۔ یوں کرتی ہوں کل وہیں چلی جاتی ہوں۔تم میرے ساتھ آنا۔وہاں سے ہم سمندری سفر پہ نکل جائیں گے۔''

ایڈم کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔''اگر ہم ملاکہ کے لوگوں کی لوٹی دولت واپس لا سکیں تو ملاکہ کو چین سے قرضہ لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ہم تاریخ رقم کرنے جا رہے ہیں بے تالیہ۔'' وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔تالیہ بھی مسکرا دی۔

''تم تیاری کرو۔ہم علی الصبح روانہ ہوں گے۔'' وہ پرعزم تھی۔ایک تھکا دینے والے دن کے بعد ایک مشکل صبح کا آغاز ہونے والا تھا۔

اپنے کمرے میں کرسی میز پہ براجمان مراد راجہ لکڑی کی ننھی کشتی میں کیل ٹھونکتا دکھائی دے رہا تھا۔میز پہ چند آلات اور لکڑی کے باریک ٹکڑے بکھرے پڑے تھے اور وہ مہارت سے اپنا کام کیے جا رہا تھا۔سامنے ہاتھ باندھے مودب سا عارف کھڑا اگلے حکم کا منتظر تھا۔

''شہزادی تاشہ جلد جنوبی محل روانہ ہو جائے گی۔'' وہ نظریں کشتی پہ جمائے سرد آواز میں بولا۔''اس کے جاتے ہی تم وانگ لی کے اس غلام کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ گے جس کے گردن پہ تمہارے آدمی کو چند دن پہلے وہ نشان نظر آیا تھا۔ابھی تک میں صرف شہزادی کی وجہ سے خاموش تھا۔اس کے جاتے ہی یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

''جو حکم' عالی جاہ!'' عارف نے فوراً سے سر جھکایا۔مراد راجہ اب مہارت سے کشتی کے اوپر ننھا سا بادبان لگا رہا تھا۔

کھڑکی کے باہر گہری مہیب رات اتر رہی تھی۔خاموشی سے۔چپ چاپ۔

☆......☆......☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ مجسمہ اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔کنویں سے پانی کا ڈول نکالتے وقت وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔عجیب لڑکی تھی۔کبھی کہتی تھی مجسمہ نہیں بنائے گی اور اب.... چند دن میں یہ اونچا سا بت تراش کے چلی گئی۔

اسے صنم تراشی' پینٹنگز اور ایسی چیزوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر یہ مجسمہ....وہ اس کو ہمیشہ وہیں دیکھنا چاہتا تھا۔اس کی زندگی کا ایک حصہ اس مجسمے کو دیکھتے گزرا تھا۔

پانی کا ڈول اس نے برآمدے میں رکھا ہی تھا کہ دروازہ بج اٹھا۔دستک ایسی گرج دار اور خوفناک تھی کہ وہ چونکا۔پھر تیزی سے راہداری میں آیا اور دروازہ کھولا۔

سامنے اسلحے سے لیس شاہی سپاہی کھڑے تھے۔ان کی تلواریں میان سے باہر تھیں۔

''فاتح بن رامزل...تمہیں بنداہارا مرادراجہ کے حکم پہ گرفتار کیا جاتا ہے۔''ایک نے گرج دار آواز میں حکم سنایا' باقی دو اس پہ جھپٹے اور اسے بازوؤں سے پکڑ کے گھٹنوں کے بل زمین پہ بٹھایا۔سختی سے اس کے ہاتھ کمر پہ باندھے اور رسی سے باندھے۔

شورسن کے وانگ لی بستر سے نکل کے فوراً باہر آیا تھا۔

''اس کو کیوں لے جارہے ہو؟ کیا قصور ہے اس کا؟'' وہ چلایا تھا۔

گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھے فاتح نے چہرہ اٹھایا اور ایک نظر وانگ لی کو دیکھا۔''آپ آرام فرمائیے' مالک۔مجھے اپنے سارے قصور معلوم ہیں۔مجھے ان کے ساتھ جانے دیجئے۔'' وہ ضبط اور سکون سے نظر آرہا تھا۔انہوں نے اس کے کندھوں پہ زور دے کے اسے گھٹنوں کے بل بٹھا رکھا تھا۔ایک آدمی اس کے ہاتھوں کو رسی میں جکڑے جارہا تھا۔

''مگر....'' وانگ لی نے پریشانی سے ان سپاہیوں کی فوج کو دیکھا اور پھر سیاہ گھوڑا گاڑیوں کو جو سامنے کھڑی تھیں۔قیدی کو لے جانے کے لئے تیار!

''مالک!''اس نے مسکرا کے وانگ لی کو مخاطب کیا۔سپاہیوں نے اسے جبراً اٹھایا اور گاڑی کی طرف لے جانے لگے۔

''جب میں نے کہا تھا کہ میں بادشاہوں اور رئیسوں کے ساتھ بھی گھوما ہوں اور محلوں میں بھی رہا ہوں تو میں نے درست کہا تھا۔وان فاتح نہ کسی سے متاثر ہوتا ہے' نہ کسی بنداہارا سے ملنے سے ڈرتا ہے۔آپ فکر مت کیجئے۔مرادراجہ کو ابھی معلوم نہیں ہے کہ یہ ملاقات میری مرضی اور خواہش سے ہورہی ہے۔''

وہ اسے گاڑی کی طرف لے جارہے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتا' گردن موڑے اپنے مالک کو مسکرا کے تسلی دے رہا تھا۔فربہ چینی سفارتکار بس سر پہ ہاتھ رکھے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

اس کا غلام آج اسے پہلی دفعہ 'آزاد' لگا تھا۔

☆......☆......☆

سنہری دھوپ نیلے سمندر کی سطح پہ چمک رہی تھی۔تاحدِ نگاہ پانی پھیلا تھا جو پرسکون اور شانت تھا' اور بڑے وقار سے اپنے سینے پہ

ایک وسیع و عریض کشتی کو اٹھائے ہوئے تھا۔

کشتی کا بادبان ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ کوئی عام کشتی نہ تھی۔ خوب اونچی اور چوڑی کشتی جس کے تہہ خانے میں کمرے بنے تھے اور وہاں شریفہ سامان جوڑتی دکھائی دے رہی تھی۔

زینے چڑھ کے اوپر آؤ تو کشتی کا یہ کھلا سا عرشہ تھا جس کے دونوں کونوں میں تیر کمان اور اسلحے سے لیس سپاہی چوکنے کھڑے سمندر کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ابھی پانی میں کوئی ہلچل مچے تو ان کے تیر مدافعت کے لئے تیار تھے۔

عرشے کے وسط میں لکڑی کے پھٹے لگے تھے۔ تالیہ وہاں بیٹھی تھی۔ اس نے شہزادیوں کے لباس سے برعکس سیاہ پاجامہ قمیض پہن رکھی تھی۔ اس کے اوپر سیاہ چغہ تھا جو ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ سرد ہوا سے چغے کی ٹوپی بار بار پیچھے گر جاتی اور کانوں پہ ہوا لگنے لگتی۔

''یہ تمام سپاہی آپ کے اعتبار کے ہیں نا؟'' ایڈم سامنے والے پھٹے پہ بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ جو دور تک پھیلے سمندر کو دیکھ رہی تھی' چونک کے گردن موڑی۔

ایڈم کافی آرام دہ نظر آرہا تھا۔ کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ چغہ پہنے' اس نے سردی سے بچنے کو مفلر بھی کانوں کے گرد لپٹا تھا۔

''ہاں.... میں نے ان کی وفاداری فی الحال تو خریدی ہوئی ہے۔ اور ہم ان کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ مراد راجہ نے اس جزیرے پہ اپنا سونا یوں تو نہیں چھوڑا ہوگا۔ پوری فوج تعینات کر رکھی ہوگی۔ ہمیں ان کے مقابلے کے لئے ان سب کی ضرورت ہے۔'' پھر اس نے کھوجتی نگاہوں سے سمندر کو دیکھا۔

''کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟''

''بس اب ہم قریب ہیں۔'' ایڈم نے افق کو دیکھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا تو وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

''یہ کہاں سے سیکھا تم نے؟''

''کیا؟''

''یہ نقشے پڑھنا.... سمندر میں راستے تلاش کرنا....''

''آپ بھول رہی ہیں' میں فوج میں تھا اور وہاں یہ سب سکھاتے ہیں۔''

وہ جواب میں کچھ تیکھا کہنے لگی مگر پھر ارادہ بدل دیا اور دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''تم واپس جا کے کیا کرو گے؟''

ایڈم دھیما سا مسکرایا۔ ''آپ کو واپس جانے کا جتنا یقین ہے اتنا مجھے نہیں ہے' چے تالیہ۔ لیکن اگر میں واپس گیا تو...'' اس نے سوچنے والے انداز میں سانس اندر کھینچی۔ ''تو میں کسی سیکیورٹی کمپنی میں اپلائی کروں گا اور کہیں گارڈ بھرتی ہو جاؤں گا۔ اس سے بہتر جاب

مجھے نہیں ملے گی کیونکہ نہ میری تعلیم ہے نہ تجربہ۔"

"تجربہ تو یہاں تم نے بہت حاصل کیا ہے۔"

"مگر یہ تجربہ وہاں میرے کس کام آئے گا؟ وہ دوسری دنیا ہے' چے تالیہ۔" اس نے یاد دلایا۔ پھر قدرے ٹھہر کے بولا۔ "اور آپ؟ آپ کیا کریں گی؟"

"میں!" وہ پرجوش انداز میں مسکرائی۔ "میں سب سے پہلے اس خزانے کو کھود کے نکالوں گی' پھر تھوڑا سا بیچوں گی اور ایک گھر خریدوں گی۔"

"جزیرے پہ محل؟ جو آپ کا خواب تھا؟"

تالیہ کا منہ بن گیا۔ "ہرگز نہیں۔ بہت دیکھ لئے جزیرے اور بہت دیکھ لئے محل۔ اب مجھے کسی پر رونق' ہجوم والی جگہ پہ گھر لینا ہے۔ جہاں مارکیٹ' ریسٹورانٹس اور ٹریفک کا شور ہنگامہ ہو۔"

"کے ایل کے بالکل وسط میں ایک علاقہ ہے جہاں...."

"کے ایل نہیں' ایڈم۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں کہیں دور چلی جاؤں گی۔ کسی دوسرے ملک۔ اور نئی زندگی شروع کروں گی۔"

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ "یعنی آپ یہ طے کر چکی ہیں کہ وان فاتح واپس جاتے ہی آپ کو چھوڑ دیں گے؟"

"انہوں نے مجھے اپنایا ہی کب ہے؟ اور ظاہر ہے وہ چھوڑ دیں گے۔ ویسے بھی میں اتنی باوقار ہوں کہ کسی کے بس نام کے سہارے پہ زندگی نہیں گزاروں گی۔" نخرے سے سر جھٹکا۔

"لیکن ہوسکتا ہے وہ آپ کو نہ چھوڑیں۔ ان کو آپ سے محبت ہو جائے۔ ساری تلخیاں' سارے خواب' سب بھول جائیں وہ اور ایک دنیا سے ٹکرا لے کر آپ کو اپنا لیں۔"

"میں چور تھی' جھوٹی تھی' لوگوں کو لوٹتی تھی مگر گھر توڑنے والوں میں سے نہیں تھی' ایڈم۔ میں ان کے بیوی بچوں کی زندگی کبھی خراب نہیں کروں گی۔" اسے جیسے اس بات پہ دکھ ہوا تھا۔ "اور یہ شادی.... یہ میری مرضی سے نہیں ہوئی۔ یہ ان کی ایماء پہ ہوئی ہے۔ داتن ہوتی تو کتنا ہنستی۔" بڑے دن بعد آج وہ یاد آئی تھی۔ مگر پھر اس نے یاد کو جھٹک دیا۔

"اچھا۔ ٹھیک۔ فرض کیا انہوں نے آپ کو جاتے ساتھ ہی تنسیخ نکاح کے کاغذات پکڑا دیے ہیں' اس کے بعد کیا کریں گی آپ؟"

لہروں کے شور کو سنتے چند لمحے کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔

"تعلیم تو میری بھی خاص نہیں ہے مگر تجربہ بہت ہے۔ میں پینٹ کروں گی اور آرٹ ورکس بناؤں گی۔ اس خزانے سے امیر بھی ہو جاؤں گی' دنیا گھوموں گی' نئے دوست بناؤں گی۔"

''اور پرانے دوستوں سے بہت دور جانا چاہتی ہیں آپ!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''پرانے دوست بھی تو اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے۔تم سیکیورٹی گارڈ بن جاؤ گے' میں آرٹسٹ اور وان فاتح....''

''وہ تو وزیرِ اعظم بنیں گے۔'' دونوں ایک ساتھ بولے اور پھر ہنس دیے۔ نیلا سمندر بھی ان کے ساتھ ہنسا تھا۔

''کیا آپ ملاکہ کو مِس کریں گی' چے تالیہ؟'' تھوڑی دیر بعد وہ سمندر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ زاروں طرف گویا نیلی چادر سی بچھی تھی جس پہ وہ تیر رہے تھے۔

''یہاں ہے ہی کیا جسے میں مِس کروں گی؟''

''یہاں ہے ہی کیا؟ محترمہ! یہاں آپ شہزادی ہیں' حکم چلاتی ہیں' بے پناہ طاقت کی مالک ہیں۔ اور وہاں آپ لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔ روپ دھار دھار کے نوکریاں کرتی تھیں۔''

تالیہ نے برہمی سے اسے دیکھا۔''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میری خوش اخلاقی ایکسپائر ہو جائے گی۔''

ایڈم کے چہرے کے زاویے فوراً سیدھے ہوئے۔ تالیہ تفاخر سے مسکرائی' مگر بجائے تعظیم پیش کرنے کے وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

سامنے سبز سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔ دور کوئی جزیرہ سا تھا۔

''یہی ہے....یہی ہے تین چاند والا جزیرہ۔'' وہ جوش سے کھڑا سپاہیوں کو ہدایت دینے لگا۔''کشتی کو اس طرف لے جاؤ۔''

وہ بے چینی سے اٹھی اور آسمان کو دیکھا۔''شام ڈھلنے کے قریب ہے۔ ہمیں چاند نکلنے کے وقت تک اس جگہ پہ پہنچ جانا چاہیے۔''

پھر چغہ سنبھالتی آگے بڑھی اور سپاہیوں کے سر پہ جا رکی۔

''جزیرے پہ کچھ ضرور ہمارا منتظر ہوگا۔'' وہ بلند آواز میں بولی اور سب رک کے اسے سننے لگے۔

''سپاہی' فوج' مقامی لوگ۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر تم لوگ....تم پوری جانفشانی سے لڑو گے...یاد رکھو' ہم نے زندہ واپس جانا ہے وہ سب لے کر جس کے لئے ہم آئے ہیں۔ واپس پہنچ کے نہ صرف میں تم میں سے ہر ایک کو انعام و اکرام سے نوازوں گی بلکہ تمہیں آزاد بھی کر دوں گی۔'' وہ پورے قد سے کھڑی ان سے مخاطب تھی۔ ہوا سے چغہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اور ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی تھی۔

''لیکن اس سے پہلے....تم لوگوں کو لڑنا ہوگا....اس جزیرے اور اس کے آسیبوں سے....تمہیں لڑنا ہوگا...اپنی شہزادی کے لئے لڑو گے نا؟''

''آپ ہمیں ہر امتحان میں پورا پائیں گی' شہزادی۔'' ایک سپاہی جوش سے بولا تو وہ مسکرائی اور گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔

''سارے خزانے' ساری جابز' تعلیم' ایوارڈز' انسان جو کچھ بھی حاصل کر لے' ہر چیز ایک طرف....اور'' طاقت اور حاکمیت'' ایک

طرف ہے' ایڈم۔ ہاں' شاید اس چیز کو میں مِس کروں گی!''

ایڈم بس مسکرا دیا۔

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ کشتی تیزی سے تیرتی ہوئی جزیرے کے قریب جا رہی تھی۔ تالیہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہاں کیا ان کا منتظر ہوگا؟

کوئی آسیب.....کوئی فوج؟

☆......☆......☆

سلطنت محل پہ شام اترتی دکھائی دے رہی تھی اور اونچی دیواروں پہ لگی قندیلیں جلنے لگی تھیں۔ غلام اور کنیزیں نظم وضبط سے سارے کام نپٹاتے پھر رہے تھے۔ ایسے میں محل کی ایک اونچی بالکونی میں ملکہ یان سوفو کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ تاج اور زیورات سے لدی پھدی' مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی۔ بڑے دن بعد وہ اتنی پرسکون نظر آتی تھی۔

''اتنے پریشان کیوں ہو' وانگ لی؟'' اس کا مخاطب چینی سفارتکار عقب میں کھڑا تھا۔ چہرہ بے چین اور اداس لگتا تھا۔

''ملکہ عالیہ....مراد راجہ نے میرے غلام کو گرفتار کر لیا ہے۔ مجھے یہ سوچ کے خوف آ رہا ہے کہ اب کیا ہوگا؟''

''خوف کی بات نہیں ہے' وانگ لی۔'' وہ پرسکون سی دور نیچے پھیلے باغات کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''جلد یا بدیر یہ تو ہونا تھا۔ بنداہارا اس کو قید کر کے اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے' وہ دکھ کی بات ہو سکتی ہے' مگر خوف کی نہیں۔''

''مراد راجہ کو اس نکاح کا علم ہو گیا تو.....؟''

''علم تو ہونا ہی تھا۔ مگر میرا نام نہیں آئے گا اور تم سفارتکار ہو' تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

''اور فاتح؟ اور شہزادی تاشہ؟''

''یہ اب ان کا مسئلہ ہے۔ بھلے مراد اپنی بیٹی کو گلے سے لگائے یا گستاخ غلام کی گردن اتار دے' ہر صورت میں سلطان تک خبر پہنچ جائے گی کہ شہزادی تاشہ کسی کی منکوحہ ہے۔ میرا مسئلہ یہیں تک تھا' وہ ختم ہو جائے گا۔'' وہ ہولے ہولے اپنے کان سے لٹکتے بندے پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

''واقعی...ہمارا مسئلہ تو ہر حال میں ختم ہو جائے گا۔'' وانگ لی نے گہری سانس بھری۔ پھر جیسے اسے ملال ہو۔ ''مگر مجھے فاتح کے لئے دکھ ہو رہا ہے' ملکہ۔ اس کی پیشانی روشن تھی۔ وہ قید خانے کا ایندھن نہیں بن سکتا۔''

''میں نے کہا نا' خوف کی بات نہیں ہے' دکھ کی ہے۔ جب میں نے سنا تھا کہ چین کے پہاڑوں پہ ایک سرخ دھاریوں والے نایاب پرندے کی نسل ختم ہو رہی ہے تو مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ میں تب چھ برس کی تھی۔ مجھ سے کتنے دن کھانا نہیں کھایا گیا۔ میرا دل دکھ گیا تھا۔

مگر....'' چہرہ وانگ لی کی طرف پھیرا۔ کھلے دل سے مسکرائی۔ ''دل کی یہی تو اچھی بات ہے اس کے دکھ درد تھوڑے عرصے بعد بھول جاتے ہیں۔ بس تاج سلامت رہے' دل میں بہت جگہ ہے' وانگ لی۔''

''بجا فرمایا' ملکہ!'' اس سے اتفاق کرنا لازم تھا۔ سو تائیدی انداز میں وانگ لی نے سر کو خم دیا۔ وہ واپس نیچے باغات کو دیکھنے لگی۔ لالی لگے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مراد راجہ کے دربار کے دروازے بند تھے اور وہاں مسلح پہریدار کھڑے تھے۔ سامنے سے دو سپاہی فاتح کو اپنے آگے چلاتے لاتے دکھائی دیے اس حال میں کہ اس کی ہتھکڑیوں سے بندھی زنجیر پیروں کے گرد لپٹی تھی۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں کوئی خوف نہ تھا۔ بس نظریں گھما کے در و دیوار کا جائزہ لیتے قدم اٹھا رہا تھا۔

ایک سپاہی نے بازو سے جبراً دھکیلنا چاہا' تو فاتح رک گیا اور ایک ٹھنڈی نظر اس پہ ڈالی۔

''میں خود چل سکتا ہوں' مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔'' کوئی رعب تھا یا کیا' سپاہی نے اس کی کہنی چھوڑ دی۔

وہ گردن اٹھائے' سیدھ میں دیکھتے آگے بڑھتا گیا۔ زنجیریں تھامے سپاہی اس کے ہمراہ چپ چاپ چلتے آئے۔

پہریداروں نے دربار کا دروازہ کھولا تو فاتح نے سامنے دیکھا۔

طویل سا دربار تھا.... درمیان میں لمبا سرخ قالین بچھا تھا جو آخر میں چبوترے تک جاتا تھا۔ چبوترے کے اوپر تخت رکھا تھا جس پہ (فاتح کی نظریں اس کے پیروں سے ہوتیں چہرے تک گئیں) مراد راجہ براجمان تھا۔

شاہی قبا دائیں بائیں پھیلا رکھی تھی' ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھا تھا اور دوسرا شاہانہ انداز میں پہلو میں پڑا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال کندھوں کو چھو رہے تھے۔ اپنی عقابی چمکدار آنکھیں وہ قیدی پہ جمائے ہوئے تھا جو سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' زنجیروں میں بندھا سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ قدرے بڑھی ہوئی شیو' چھوٹے بال (جو ملاکہ میں غیر معمولی لگتے تھے کیونکہ مردوں اور عورتوں سب کے بال لمبے ہوتے تھے۔) اور چھوٹی آنکھیں جو مراد پہ جمی تھیں۔

وہ پہلی نظر میں ہی مقامی باشندہ نہیں لگتا تھا۔

''سامنے آؤ۔'' مراد نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ آواز کھردری اور رعب دار تھی۔

فاتح سرخ قالین پہ ننگے پاؤں آگے چلتا آیا۔ سپاہی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ چبوترے کے عین سامنے آ رکا۔

''تو تم فاتح ہو!''

''اور تم مراد ہو۔ مراد راجہ!'' وہ اسی کے انداز میں بولا تو چبوترے کے نیچے دربان کی طرح کھڑے عارف نے گھر کا۔

''تم اس وقت ملاکہ سلطنت کے بنداہارا مرادراجہ کے دربار میں کھڑے ہو۔ادب سے بات کرو۔''

''ہمارے زمانے میں ادب اتنا ہی ہوتا ہے بس۔ان لمبے لمبے القابات' خطابات سے نہیں پکارتے لوگوں کو بھلے وہ ملک کے سربراہ ہی کیوں نہ ہوں۔صرف ان کا نام لینا کافی ہوتا ہے۔'' پھر نظریں گھما کے عارف کو دیکھا۔

''مگر خیر' تم ہمارے زمانے سے واقف نہیں ہو گے۔وہ تمہارے ملاکہ سے بہت مختلف ہے۔اور.....''

''تم لوگ باہر جاؤ۔'' عارف نے تیزی سے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔وہ فوراً باہر نکل گئے۔

فاتح نے ہلکا سا مسکرا کے مراد کو دیکھا جو تخت پہ بیٹھا ہنوز اسے گھور رہا تھا۔

''تو صرف تمہارا یہ دربان تمہارے ''شکار بازی'' کے رازوں سے واقف ہے۔اچھی بات ہے۔کوئی رازدان ہونا چاہیے ورنہ سب سے زیادہ تنہائی تخت پہ بیٹھنے والے کے مقدر میں ہوتی ہے' راجہ!''

''اور تم کیا جانتے ہو تخت پہ بیٹھنے والوں کے بارے میں؟'' مراد اس پر سے ایک لمحے کو بھی نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔عجیب بے خوف سا آدمی تھا۔

''میں اپنے ملک میں ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔کیا تالیہ نے نہیں بتایا؟'' وہ ذرا سا مسکرا کے بولا۔''میں...اپنے ملک کا....بنداہارا بننے والا تھا' مرادراجہ!''

''تاشہ سے کیا تعلق ہے تمہارا؟'' مراد نے اگلا سوال داغا۔

''تالیہ کی میری بیوی سے شناسائی تھی' اس نے میری بیوی کی تصویر بنانی شروع کی تو ہمارے گھر اس کا آنا جانا ہوا۔بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک خزانے کی کھوج میں ہے۔اس خزانے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس نے وقت کا دروازہ پار کیا اور میں صرف اس کو روکتے روکتے ساتھ آ گیا۔''

''اور تم اسے کیوں روکنا چاہتے تھے۔''

''کیا تالیہ نے تمہیں نہیں بتایا مراد' کہ وہ اس دنیا میں کیا تھی؟''

''کیا تھی؟''

فاتح ہلکا سا مسکرایا۔وہ نیچے کھڑا تھا اور مراد اوپر بیٹھا تھا مگر دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے پہ جمی تھیں۔

''وہ ایک چور تھی۔بہروپ بدل بدل کے لوگوں کو لوٹنے والی۔اسے قائل کرنے کا فن آتا تھا۔وہ لوگوں سے اپنے مطلب نکلوا لیتی تھی۔اور اسے مال وزر سے بہت محبت تھی۔اب بھی ہے۔لیکن اس سفر نے اسے بدل دیا ہے۔وہ واپس جانا چاہتی ہے کیونکہ اسے خود کو بدلنا ہے۔''

''ہونہہ۔'' مراد تمسخر سے مسکرایا۔ ''انسان اپنی فطرت نہیں بدل سکتا' غلام فاتح! اور وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں' اس کی سلطان مرسل شاہ سے شادی ہو رہی ہے۔''

''تمہاری دنیا میں کی گئی شادی کی ہماری دنیا میں کوئی اہمیت نہیں ہوگی' مراد راجہ۔ تمہیں مجھے اور تالیہ کو واپس بھیجنا ہوگا۔''

''میں تمہارے قہوہ خانے کے لوگوں جیسا نہیں ہوں جو تمہاری تقریر سے متاثر ہو جاؤں گا۔ ویسے کیوں کرتے ہو تم وہاں تقریریں؟''

''یہ فطرت ہے میری۔ انسانوں کو کسی جابر حکمران کا غلام بنے دیکھ نہیں سکتا۔ اور پھر تمہاری نظروں میں آنا چاہتا تھا۔ کافی دیر لگی تمہیں میری گردن کی مہر سے مجھے پہچانتے پہچانتے۔ تمہیں کیا لگتا ہے مراد راجہ؟ یہ ملاقات تمہاری خواہش سے ہو رہی ہے؟ اونہوں۔ تمہاری بیٹی نے مجھے ایک کام سکھا دیا ہے۔ چال ایسے چلنی چاہیے کہ دوسرے کو لگے یہ اس کا اپنا منصوبہ تھا۔''

''اور میرا منصوبہ یہ ہے کہ تم اب کبھی دوبارہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکو گے۔''

''تم اپنے ہاتھوں سے ہمیں چابی دو گے' مراد راجہ۔ تم نہیں جانتے' مگر میں جانتا ہوں۔ تمہارے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ تم مستقبل سے واقف ہو؟''

''میں ماضی سے واقف ہوں' راجہ!'' وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود اس کا انداز ٹھنڈا اور شانت تھا۔

''میں نے تمہاری بات سن لی' فاتح۔ اب میری بات غور سے سنو۔'' مراد کہنی گھٹنے پہ رکھے آگے کو جھکا۔ ''تم بنداہارا رہو گے اپنے ملک کے۔ یہاں تم صرف ایک غلام ہو اور جلد ایک بھولی بسری داستان بن جاؤ گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کھیل کھیل رہے ہو' مگر میں تمہیں اپنی بیٹی یا اس کی زندگی کے قریب بھی برداشت نہیں کروں گا۔ تم اب قید میں رہو گے' اور تمہیں دوبارہ تب بلایا جائے گا جب مجھے لگے گا کہ تم میرے کسی کام آ سکتے ہو۔ اس لئے....'' عارف کو اشارہ کیا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

''جانتے ہو میری سب سے بڑی طاقت کیا ہے' مراد راجہ؟'' عارف سپاہیوں کو آواز دینے لگا تھا کہ وہ بولا۔ ''میں سچ بولتا ہوں اور تمہارے ساتھ بھی میں نے صرف سچ بولا ہے۔ مجھے قید کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ کیا برا کیا ہے؟''

''تم وانگ لی کے غلام ہو اور وہ ملکہ کا آدمی ہے۔ وہ دونوں بھی جلد نیست و نابود ہو جائیں گے' اس لئے تم.....''

''ملکہ آج سے بتیس سال بعد مرے گی۔ وہ بھی سرخ پھوڑے نکلنے سے۔''

الفاظ تھے کہ کیا' راجہ مراد سن ہو گیا۔ عارف اپنی جگہ پہ ٹھہر گیا۔

زنجیروں میں جکڑا قیدی گردن اٹھائے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''ملک بدر ہونے کے بعد ملکہ گمنامی کی زندگی اختیار کر لے

گی اور کئی سال ایسے ہی گزار دے گی۔ پھر آج سے بتیس سال بعد چین کے ایک پرانے محل میں اسے موت آئے گی۔"

"ملک بدر؟" عارف بڑبڑایا۔ "وہ ملک بدر کیوں ہو گی؟"

"جب مرسل شاہ کے خلاف گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کر دیں گے اور تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا تخت الٹ دیں گے تو وہ ملک بدر کر دی جائے گی۔ مرسل کا الم ناک انجام ہو گا۔ منصور شاہ اگلا حکمران بن جائے گا۔ اور پدو کا راجہ (تن پیراک) اس کا بنداہارا ہو گا۔ اگلے پچاس سال سے زیادہ پدو کا راجہ ملاکہ سلطنت کا بنداہارا رہے گا۔ اس دوران دو یا تین سلاطین بدل جائیں گے مگر بنداہارا ایک ہی رہے گا۔ یان سوفو کا باپ اگلے دس سال حکومت کرے گا' اور پھر اپنے چھوٹے بیٹے کو شاہ چین نامزد کر کے مر جائے گا۔"

"اور اس کا بڑا بیٹا؟" عارف فوراً بولا۔ مراد پتھر ہوا سن رہا تھا۔

"اس کا بڑا بیٹا تو اب تک مر چکا ہو گا۔ اس مہینے کی چار تاریخ کو اس نے طاعون سے مر جانا تھا۔"

"نہیں۔" مراد چونکا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو' وہ پچھلے ماہ ملاکہ آیا تھا' بھلا چنگا تھا۔ اور دس دن پہلے اس کا خط بھی آیا تھا۔ تم میرے دماغ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو' فاتح! مگر میں....."

"راجہ.....راجہ!" عارف کھنکھارا تو مراد نے چونک کے اسے دیکھا۔

"ابھی ایک گھڑی قبل چین سے خط موصول ہوا تھا۔ گزشتہ ہفتے ملکہ یان سوفو کا بھائی واقعی طاعون سے مر گیا ہے۔ سب سے پہلے میرے آدمی نے خبر دی ہے۔ ملکہ کو خود ابھی خبر نہیں ملی۔ میں آپ کو غلام سے ملنے کے بعد بتانا چاہتا تھا۔" عارف نے آہستہ سے بتایا۔

مراد کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ اس نے بے یقینی سے قیدی کو دیکھا جو اسی طرح کھڑا تھا۔ عام سا انداز۔ بے نیازی سی بے نیازی۔

مراد اپنی جگہ سے اٹھا اور زینے اتر کے نیچے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟"

"تاریخ کی کتابوں میں' میں نے تمہاری ساری داستانیں پڑھ رکھی ہیں' مراد راجہ! کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہارا انجام کیسا ہو گا؟"

وہ الفاظ روح کھینچ لینے والے تھے۔ سانس روک دینے والے تھے۔ جیتے جی مار دینے والے تھے۔

"مراد راجہ.... کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہیں کس زمین پہ موت آئے گی؟"

مراد پلک جھپکے بنا اسے دیکھتا رہا تھا۔ فاتح نے چند لمحے کا انتظار کیا' پھر لب کھولے۔

"ایک دن آئے گا مراد' جب تم ملاکہ کے شہر کے چوک میں....."

"بس!" وہ دھاڑا۔ "بس! میں نہیں جاننا چاہتا کہ میرا کیا ہو گا۔ میں اپنی موت کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا۔"

سارے سائے جو اس کے چہرے پہ آئے تھے' وہ اب گزر چکے تھے۔ مراد سنبھل گیا تھا اور اس کے چہرے کی سختی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''درست فرمایا' راجہ۔ کوئی انسان نہیں جاننا چاہتا کہ وہ کون سی زمین پہ مرے گا۔ میں خود بھی نہیں۔'' پھر عارف کی طرف دیکھا۔

''میں واپس قید میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ جلد تم لوگوں کو میری ضرورت پڑے گی۔ تب مجھے باہر لے آنا۔''

وہ اپنے تیئیں ملاقات ختم کر چکا تھا۔ مڑنے ہی لگا تھا کہ مراد پکار اٹھا۔

''اور تاشہ.... میری بیٹی.... اس کا کیا ہوگا؟'' اس کی آواز میں کچھ تھا جو فاتح مڑتے مڑتے رکا اور اس کی طرف گھوما۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میری ایک بیٹی تھی' مراد' جو پہاڑوں میں کھو گئی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں ایسا سوال پوچھنا چاہیے۔''

''مجھے بتاؤ۔ میری بیٹی کا کیا ہوگا؟'' وہ مضطرب ہو گیا تھا۔

وان فاتح نے گہری سانس لی۔ اور جب بولا تو اس کی آواز مغموم تھی۔

''شہزادی تاشہ تاریخ کا ایک خوبصورت اور مضبوط کردار تھی جس کی داستان بہت مختصر تھی۔ اس نے کچھ اچھے کام کیے تھے جس کے باعث اس کو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔ مگر آخر میں.....(وہ ٹھہرا....) آخر میں اس کا انجام بھی افسوس ناک ہوا تھا۔''

''کیا؟ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ؟ کیا لکھا ہے تمہاری کتابوں میں؟'' وہ بے چین سا ہوا۔ ''مجھے بتاؤ تا کہ میں اس کو ہونے سے روک سکوں۔''

''وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کا بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''

مراد کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔



**نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔**